فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیء شہید

پس جب تونے مجھے وفات دی۔ تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہی سب چیزوں کا نگران ہے

الحمد للہ کہ یہ مختصر رسالہ مشتمل بر مسئلہ وفات مسیح ناصری و مسائل متعلقہ جسکا نام ہے

مختصر

الحجۃ البالغۃ

مصنفہ

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے اسلمہ اللہ تعالے

جسکو

خادم دین خاکسار محمد فخر الدین ملتانی مالک احمدیہ کتاب گھر قادیان نے چھپوایا

بار دوم ۲۰- نومبر ۱۹۲۹ء قیمت ۳ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التماس ضروری

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سچی ہدایت دینا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ نبی کریمؐ کو خدا فرماتا ہے کہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ تو پھر میں کون ہوں اور میری بساط کیا مگر چونکہ یہ ایک تڑپ ہے کہ وہ ہدایت جو خدا کے ایک فرستادہ کے ذریعہ ہمکو پہنچی ہے۔ لوگ اس سے محروم نہ رہیں بلکہ اسکو قبول کرکے د… و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے بیش از بیش انعامات کے وارث ہوں مگر دقت یہ ہے کہ آباؤ اجداد کے خیالات کو ترک کرنا عملی طور پر بہت… ایک بہت مشکل کام ہے ہر چند کہ حیات مسیح ناصری کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ فطرت انسانی اسے قبول کرنیکو تیار نہیں بلکہ اسے دور دھکیلتی ہے لیکن چونکہ لوگ اپنے باپ دادوں سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں اور آخری دنوں میں پھر نازل ہونگے اب وفات مسیح جیسے موٹے اور صاف مسئلہ کا سمجھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ مگر ہم مایوس نہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ لوگ جلد اپنی غلطی کو محسوس کر… اور اس سچے مسیح کے جھنڈے تلے آجائیں گے جو آسمان سے تو نہیں اترا مگر آسمانی شہادتوں کے ساتھ ضرور ظاہر ہوا ہے۔

خدا شاہد ہے کہ ہمارا دل کس طرح اس آرزو اور خواہش سے بھرا ہوا ہے کہ لوگ اس چشمہ تک پہنچیں جو باری تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے رو… بہا رکھا ہے لوگوں کے چہروں پر ہم شدت پیاس کی وجہ سے نقاہت و کمزوری کے آثار دیکھتے ہیں تو ہمارے اخوت کے جذبات ہمکو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ ہم انکو اس پانی کی طرف دعوت دیں جو خدا نے عین وقت پر اتارا ہے کوئی ہے جو اس دعوت کو قبول کرے؟ اے کاش لوگ اس رکو… جیسے ہم نے دیکھا اور اس چشمہ سے پانی پیتے جس نے ہماری پیاس بجھائی اور اس ہوا کی تازگی اور ٹھنڈک کو محسوس کرتے جس نے ہمارے لیے قرن ہا قرن کے بعد پھر بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ مشرق و مغرب سے لوگ آئینگے اور اس مائدہ سے متمتع ہونگے۔ جو خدا نے آج ہندوستان میں اتارا مگر تعجب ہے کہ تم جو اس مائدہ کے پاس بیٹھے ہو لیکن اسکی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اے سرزمین ہند کے مسلمانو! تمہارے لئے تو یہ تھا کہ تم خوشی سے اچھلتے اور کودتے کہ خدا نے اپنے آخری وعدہ کو پورا کرنیکے لئے تم کو چنا اور تمہاری زمین کو برکت دی مگر تم نے اس نعمت کو نہ دیکھا اور نہ پہچانا اب بھی وقت ہے اٹھو کب تک بھوک کی وجہ سے بیتاب ہوتے رہوگے الٰہی دسترخوان بچھ چکا ہے اٹھو اور اس نعمت سے… اٹھو تمہارے ہونٹ پیاس کی وجہ سے خشک ہو رہے ہیں آؤ خدا کیلئے اٹھو اور جس طرح بھی ہو گرتے پڑتے اس جگہ تک پہنچو جو خدا نے پانی جاری کر رکھا ہے یہ مت سمجھو کہ ہم بلا سوچے سمجھے اس کے لینے کو کہتے ہیں حاشا وکلا بلکہ جس طرح ہم علیٰ وجہ البصیرت قائم ہیں اسی طرح دو… کیلئے بھی چاہتے ہیں۔ کہ وہ کامل غور و فکر سے کام لیں۔ اور پھر بعد انشراح صدر اس الٰہی فوج میں بھرتی ہو جائیں جو خداوند عالم نے باط… سر کچلنے کیلئے تیار کی ہے۔ پس اے لوگو جو میرے اس رسالہ کو پڑھنا چاہتے ہو تمکو خدا کی قسم ہے کہ اسے شروع کرنے سے پہلے تعصب کے تمام خ… الگ کر دو۔ اور اپنے دل کی آنکھیں کھولو اور خدا سے ڈر کر حق بات قبول کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ اور خدا سے دعا مانگو۔ کہ وہ اس معاملہ میں تمہارا ناصر ہو۔ کیونکہ اسکی نصرت اور رحمت کے بغیر انسان ضعیف البنیان ٹھوکر کھاتا اور بہت سی سچائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ فقط والسلام۔ خاکسار میرزا بشیر احمد قادیان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وفات مسیح

حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کے متعلق تحقیقات
ے راستہ میں سب سے پہلا سوال وفات مسیح کا ہے۔ کیونکہ جبتک یہ ثابت نہ ہو جاوے کہ پہلا
سیح فوت ہو چکا ہے۔ اس وقت تک خواہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کی صداقت پر
ار سورج چڑھا دیا جاوے طبیعت میں خلجان ضرور رہتا ہے جس منصب کا حضرت
ا صاحب کو دعویٰ ہے یعنی مسیحیت اسکی کرسی کو جبتک خالی نہ کیا جاوے۔ مرزا صاحب
ں سچائی کے متعلق طبیعت اطمینان ہرگز نہیں پکڑ سکتی۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے اس
ک کو دور کیا جاوے۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف اور احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ آخری
مانہ میں جبکہ مسلمان نہایت گری ہوئی حالت میں ہونگے۔ اور لامذہبی ہر طرف اپنا دامن پھیلا

منظور عام پریس بازار پیسہ اخبار لاہور۔ باہتمام ایم محمد حسین پرنٹر کے چھپا۔

بہ بھی ہوگی اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک مسیح بھیجیگا جو کہ نہ صرف مسلمانوں کے اندر اصلاح کا کام کرے گا. بلکہ غیر مذاہب کے مقابلہ میں بھی کھڑا ہوگا. اور دلائل قاطعہ اور براہین قاطعہ کے ذریعہ اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر دے گا. حضرت مرزا صاحب کے مخالف علماء کا یہ مذہب ہے کہ موعود مسیح عیسٰے علیہ السلام ہی ہیں. جو آسمان پر زندہ بجسم عنصری موجود ہیں اور آخری زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے. مگر حضرت مرزا صاحب کی یہ تعلیم ہے کہ مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں. اس لئے آنے والا مسیح کوئی اور شخص ہونا چاہیئے. ہر چند کہ حضرت مرزا صاحب کا یہ فرض نہ تھا. کہ وہ وفات مسیح ثابت کرتے. بلکہ مرزا صاحب کے مخالفین کا یہ فرض ہے کہ وہ قرآن اور احادیث صحیح سے حضرت مسیح کی حیات ثابت کریں. کیونکہ حیات کا دعویٰ ایک ایسا دعویٰ ہے جو بغیر کسی بیّن دلیل کے ہرگز مانا نہیں جا سکتا. بمقابلہ موت کے دعویٰ کے جس کے لئے کسی بیرونی دلیل کی ضرورت نہیں. مگر باوجود اس کے حضرت مرزا صاحب نے ہمدردی خلق اللہ کی نیّت سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور پھر اس خیر و خوبی سے اسکو نبایا کہ آج اور تو اور بڑے بڑے غیر احمدی علماء بھی اس مسئلہ پر کسی احمدی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سخت گھبراتے ہیں. بلکہ بعض دفعہ تو بات کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں. اور کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے کیا تعلق ہے. حالانکہ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے. کہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق تحقیقات کے راستہ میں وفات حیات مسیح کا مسئلہ سب سے پہلا سوال ہے. جو حل ہونا چاہیئے ؎

باب اوّل

بحث مسئلہ رفع الی السماء

اس مختصر تمہید کے بعد میں چند موٹی موٹی عام فہم باتیں عرض کئے دیتا ہوں۔ جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری آسمان پر بجسم عنصری نہیں اُٹھائے گئے بلکہ انہوں نے زمین پر ہی اپنی زندگی کے دن کاٹے۔ اور زمین پر ہی فوت ہوئے۔

انسان کی زندگی اور دُنیا موت کیساتھ وابستہ ہے

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ (سورہ اعراف رکوع ۲) تم اپنے زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹو گے اور زمین پر ہی تمہیں موت آئیگی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تمام انسانوں کے لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ زمین پر ہی زندگی کے دن گذاریں گے۔ اور زندگی کے دن گذارنے کے بعد جب موت کا وقت آئیگا۔ تو موت بھی زمین پر ہی ہوگی۔ دنیا میں انسان پر دو ہی زمانے آتے ہیں ایک زندگی کا زمانہ اور ایک موت کا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام باوجود ایک انسان ہونے کے کس طرح بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے۔ کیا مسیح کو زندہ آسمان پر لے جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے اس فیصلہ کو بھول گیا۔ کہ انسان اپنے زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹیگا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم نجعل الارض کفاتا احیاءً وَّ امواتاً (سورہ مرسلات رکوع اوّل) ہم نے زمین کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کو اپنی طرف کھینچنے والی اور اسکو اپنے پاس روکنے والی ہے۔ خواہ انسان مردہ ہو یا زندہ۔ اس آیت نے گویا پہلی آیت کی تشریح کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے زمین کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ زندوں

اور مردوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہے۔ یہ آیت بھی مسیح کے آسمان پر جانے کو غلط ثابت کر رہی ہے:۔

نبی کریم اپنی بشریت کو آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانیکی روک بیان کرتے ہیں

پھر اس سے بڑھ کر لیجئے۔ کفار نے نبی کریم سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو آسمان پر چڑھ کر ہمکو دکھاؤ۔ پھر ہم مان لینگے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا۔ کہ تو ان کو جواب دے۔ کہ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

پاک ہے میرا رب میں تو صرف انسان رسول ہوں۔ اس آیت کریمہ میں نبی کریم نے صاف فرمایا ہے کہ ایک بشر کا زندہ آسمان پر جانا۔ خدا کی سنت اور وعدہ کے خلاف ہے اور خدا اس بات سے پاک ہے کہ خود اپنے فیصلوں کو توڑے۔ غور کا مقام ہے کہ کفار نبی کریم جیسے عظیم الشان انسان کیلئے آسمان پر جانے کا معجزہ طلب کرتے ہیں۔ اور معجزہ دیکھنے پر ایمان لانیکا وعدہ کرتے ہیں لیکن نبی کریم صاف جواب دیتے ہیں۔ کہ میں تو صرف ایک بشر ہوں آسمان پر زندہ نہیں جا سکتا۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے ایک عیسائی اگر اس بات کے کہنے کی جرأت کرے۔ تو کرے۔ کہ مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا۔ مگر ایک مسلمان کہلانے والا اگر تو مسیح کو ایک زندہ اور نبی کریم سے درجہ میں بہت چھوٹا انسان یقین کرتا ہے۔ وہ ایک لحظہ کیلئے بھی اس بات کو قبول نہیں کرسکتا کہ مسیح جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جا بیٹھا غضب ہے نبی کریم تو کفار کو یہ جواب دیتے ہیں کہ میں صرف ایک انسان ہوں۔ اور انسان کا آسمان پر زندہ چلے جانا خلاف سنت و فیصلہ الٰہی ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ مسیح کو انسان مانتے ہوئے پھر بھی اس کو آسمان پر بٹھا رہے ہیں۔ کیا اگر واقعی مسیح آسمان پر زندہ بیٹھا ہے تو وہ اس آیت کی رو سے انسان سے کوئی بالا ہستی نہیں ثابت ہوتا۔ ایک عیسائی تو

گویہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم میں تمہارے نبی اپنے آسمان پر زندہ جانے کے راستہ میں صرف اپنی بشریت کو ہی بطور روک کے بیان کرتے ہیں۔ تو کیا مسیح جو تمہارے نزدیک آسمان پر زندہ بجسم عنصری جا پہنچا وہ تمہارے نبی سے افضل بلکہ انسان سے کوئی بالا ہستی نہ ثابت ہوا۔ اس کا جواب مسلمانوں کے پاس سوائے شرمندگی کے اور کیا ہے۔ افسوس مسلمانوں نے خود اسلام کے اندر ارتداد کا رستہ کھولا اور اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر خود اپنے ہاتھ سے تبر چلایا۔ کسی نے سچ کہا ہے:۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

حقیقت معراج

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں نبی کریمؐ کے آسمان پر بجسم عنصری جانے کو بوجہ آپ کے ایک بشر ہونے کے ممتنع قرار دیتا ہے۔ تو پھر معراج کے موقع پر نبی کریم کس طرح آسمان پر جا پہنچے اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ معراج نبی کریمؐ کا جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک نہایت لطیف کشف تھا۔ جو نبی کریمؐ کو دکھایا گیا۔ اور جس طرح خواب میں بعض وقت انسان باوجود اپنی چارپائی پر لیٹا ہونے کے دُور دراز ملکوں کی سیر کر لیتا ہے اسی طرح یہاں ہوا۔ خود سلف صالحین میں ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے۔ کہ معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ ایک لطیف کشف تھا جس میں نبی کریمؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ ہاں بعض نے معراج جسم عنصری کے ساتھ ہی سمجھا ہے۔ مگر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ اس خیال کی بڑی صفائی کے ساتھ تردید کرتی ہیں۔ اوّل تو مندرجہ بالا آیت ہی (ھل کنت الا بشراً رسولا) اس فاسد خیال کو دھکے دے رہی ہے۔ اگر بجسم عنصری نبی کریمؐ آسمان پر جا سکتے تھے تو آپ نے کیوں کفار مکہ کو نفی میں جواب دیکر اسلام لانے

سے محروم کر دیا۔ اگر معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا۔ تو معمولی بات تھی کفار کے مطالبہ پر انکو یہ معجزہ دکھا دیا جاتا۔ مگر آنحضرتؐ نے بوجہ بشر ہونے کے اپنا آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانا ممتنع قرار دیا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ معراج بجسم عنصری نہیں ہوا۔ علاوہ اسکے قرآن شریف میں معراج کو رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنة للناس (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶) پھر احادیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ معراج کی رات آنحضرتؐ کا جسم مبارک زمین سے جدا نہیں ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج بجسم عنصری نہ تھا۔ بلکہ آپ کو کوئی اور لطیف جسم عطا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ کشف میں ہوتا ہے۔ پھر بخاری جو احادیث کی کتابوں میں مسلمہ طور پر صحت کے لحاظ سے اوّل نمبر پر ہے۔ اسمیں لکھا ہے۔ کہ ثم استیقظ یعنی نبی کریمؐ معراج میں یہ سب نظارے دیکھ کر پھر بیدار ہو گئے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معراج صرف ایک نہایت لطیف رؤیا تھا۔ اور بس ۔

رفع الی اللہ کے صحیح معنی

غرض قرآن شریف اس بات کا ہرگز متحمل نہیں ہے کہ کوئی بشر جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ چلا جاوے۔ بلکہ صاف الفاظ میں اسے ممتنع قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے مخالفین قرآن شریف کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ مسیح کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور وہ یہ ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ (سورۃ النساء رکوع ۲۲)

یہود نے نہ تو مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا۔ بلکہ اصل میں واقعہ یہ ہوا کہ مسیح ان کی نظروں میں مشابہ بالمقتول و مصلوب بنا دیا گیا۔۔۔ مگر وہ ہرگز ہرگز مسیح کے مارنے پر قادر نہیں ہوئے

بلکہ مسیح کا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رفع کیا گیا۔ اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیح کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کیطرف اٹھا لیا۔ لیکن اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو استدلال کی کمزوری صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ عیسٰی علیہ السلام کا بیشک رفع ہوا۔ قرآن کریم کے الفاظ صاف ہیں۔ اور ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کس طرف رفع ہوا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں :۔

ماصلبوہ اور شبہ لہم کے معنی اور واقعہ صلیب کے اصل حالات

ہم نے جو ترجمہ اس آیت کا کیا ہے اس کو دیکھ کر مولوی طبع لوگ چونک پڑیں گے۔ کیونکہ ہم نے لکھا ہے کہ مسیح صلیب پر لٹکائے تو گئے مگر صلیب پر مرے نہیں لیکن ہمارے مخالف مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔ بلکہ انکی جگہ کوئی اور ایسا آدمی چڑھا دیا گیا جو ان کے ساتھ کامل مشابہت رکھتا تھا اور خود ان کو خدا نے آسمان پر اٹھا لیا اس بحث کو مسیح کی وفات حیات سے تو قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ صلیب پر چڑھے یا نہ چڑھے اس سے ہمکو کام نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو صرف اس سے ہے کہ وہ آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے یا نہیں لیکن پھر بھی چونکہ بعض مولوی خواہ مخواہ اس بحث کو درمیان میں لے آتے ہیں۔ اس لئے اس پر کچھ لکھنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ سو واضح ہو کہ صلیب کے معنی سمجھنے میں ہمارے مولویوں نے سخت دھوکا کھایا ہے اور وہ یہ کہ وہ اس کے معنی محض صلیب پر چڑھانے کے کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں لغت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ القتلۃ المعروفۃ (ملاحظہ ہو لسان العرب و تاج العروس) یعنی صلیب دینے کے معنی ہیں معروف طریقہ پر مار دینا یعنی صلیب پر لٹکا کر۔ خود لفظ صلیب کی روٹ میں مارنے کا مفہوم موجود ہے۔ کیونکہ صلیب کے اصل معنی ہیں ہڈی کا گودا (ملاحظہ ہو تاج العروس و لسان العرب) اس لئے صلب کے معنی یہ ہوئے کہ کسی آدمی کو اس طرح مارنا کہ اس کا جسم سڑ جاوے اور اسکی ہڈیوں سے گدا بہ نکلے اور یہی صلیبی موت ہے کیونکہ صلیب کی لکڑی سے مجرم کو میخوں سے لٹکا دیا جاتا

بل رفعه الله الیہ " بلکہ اللہ نے مسیح کو اپنی طرف اُٹھا لیا "۔ اب اگر خدا کی طرف اُٹھائے جانے کے معنے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے لئے جاویں تو سوال ہوتا ہے کہ کیا خدا آسمان تک محدود ہے؟ کیا اسلامی تعلیم کی رو سے وہ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہے؟ ہے ضرور ہے تو پھر ان الفاظ کے کیا معنے ہوئے۔ کہ خدا نے مسیح کا اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷

تھا۔ جہاں وہ بھوک تکان وغیرہ سے لٹکا لٹکا مر جاتا تھا۔ اور اس کا جسم سڑ جاتا تھا۔ اس لئے ما صلبوہ کے یہ معنی کرنا کہ انہوں نے مسیح کو صلیب کی لکڑی پر لٹکایا تک نہیں صریحاً غلط ہے۔ ہمارے مخالف بعض وقت کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ معنی درست ہیں۔ تو ما قتلوہ کا لفظ زائد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ صرف صلبوہ کہنا کافی تھا لیکن یہ بھی انکی تاریخی ناواقفیت سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے مخالفوں نے صرف یہی سمجھ رکھا ہے کہ یہود کا صرف یہی دعوٰی تھا کہ ہم نے مسیح کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا ہے جس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ یہود نے مسیح کو ہرگز نہیں مارا۔ بلکہ صلیب پر چڑھایا تک نہیں۔ مگر یہ غلط ہے یہود میں اس عقیدہ کے متعلق دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کا دعوٰی یہ ہے کہ ہم نے پہلے مسیح کو قتل کر دیا۔ پھر صلیب پر ذلت کیلئے مسیح کا جسم لٹکا دیا۔ کیونکہ ان کے ہاں یہ بھی ایک طریقہ ہوتا تھا کہ مجرم مقتول کا جسم عبرت کیلئے کسی جگہ لٹکا دیتے تھے۔ دوسرا گروہ ان میں یہ کہتا ہے کہ مسیح صلیب پر لٹکا کر مارا گیا۔ اور صلیب پر ہی اسکی موت ہوئی ان دونوں کے رد میں خدا فرماتا ہے کہ نہ تو مسیح کو یہود نے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا۔ غرض قرآن شریف میں یہود کے دونوں گروہوں کے دعووں کو صرف قتل کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کیونکہ قتل کا لفظ ایک تو عام معنوں میں آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مار ڈالنا۔ اور ایک خصوصیت کے ساتھ تلوار وغیرہ کے ساتھ مارنے پر بولا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاج العروس و لسان العرب) جہاں یہود کا دعوٰی بیان ہوا ہے۔ وہاں قتل کو عام معنوں میں رکھا ہے۔ جو مار دینے کے سب طریقوں پر حاوی ہے۔ لیکن جواب دیتے ہوئے چونکہ

ظرف رفع کیا؟ اس سوال کا تسلی بخش جواب پانے کیلئے ہم کو چاہئے۔ کہ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیں۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا اور اس سے وہ نتیجہ نکالتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیح ایک لعنتی موت مرا۔ کیونکہ بموجب توریت کی تعلیم کے صلیب پر مرنا ایک ملعون موت ہے* (استثنا باب ۲۱ آیت ۲۳) اس طرح گویا یہود مسیح کا کاذب ہونا ثابت کرتے تھے۔ ان کے اس دعویٰ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸

تصریح کی ضرورت تھی اس لئے قتل کے مقابل میں صلیب کا لفظ رکھ کر قتل کو اس کے خاص معنوں میں محدود کر دیا ہے*

یہ اعتراض کہ خدا کا مسیح کو یہ کہنا کہ کففت بنی اسرائیل عنک (سورۃ مائدہ رکوع ۱۵) ظاہر کرتا ہے کہ یہود مسیح کو صلیب پر لٹکانے ہی پر قادر نہیں ہو سکے ایک نہایت بودہ اعتراض ہے جو محض قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ کففت بنی اسرائیل عنک کے صرف یہ معنی ہیں کہ خدا نے مسیح کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور یہ جو انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مار ڈالیں اسمیں انکو نامراد کیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہود کوئی چھوٹی موٹی تکلیف بھی مسیح کو نہیں پہنچا سکے۔ ایک ابلہانہ بات ہے جسکی نہ تو الفاظ اجازت دیتے ہیں اور نہ ہی تاریخ سے کوئی شہادت ملتی ہے۔ علاوہ اس کے نبی کریمؐ سے بھی خدا کا وعدہ تھا کہ واللہ یعصمک من الناس (سورۃ مائدہ رکوع ۱۰) یعنی اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا۔ لیکن باوجود اس کے آپؐ کو کفار کے ہاتھ پر اتنی تکالیف پہنچیں کہ بقول آپؐ کے اس قدر تکالیف کسی کو نہیں پہنچیں آپؐ کے دو دانت ایک لڑائی کے موقعہ پر ٹوٹ گئے اور زخم بھی آئے تو کیا خدا کا وعدہ غلط نکلا۔ ہرگز نہیں۔ لہذا کففت بنی اسرائیل عنک کے صرف یہی معنی ہیں کہ یہود کی خفیہ شرارتوں سے مسیح کو محفوظ رکھا۔ اور یہ جو انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے صلیب پر مار کر ایک ملعون موت مرنیوالا ثابت کریں۔ اس ارادہ میں ان کو نامراد کیا*

* توریت میں یوں لکھا ہے کہ جو ٹانگا [illegible] کیا جائیگا * وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے۔ خدا کا ملعون ہے

کہ مسیح ہرگز صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ اس کا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رفع کیا۔ یعنی تم نے
کوشش کی تھی کہ مسیح کو ملعون موت کا شکار بناؤ۔ مگر تمہاری کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے
ناکام کیا۔ بلکہ بجائے اس کے کہ مسیح کسی ملعون موت کے نیچے آتا۔ اللہ نے اس کو بلند کیا
اور اس کا روحانی رفع ہوا۔ ایسا روحانی رفع اللہ تعالیٰ کے تمام مقربین کا ہوتا ہے جیسا
کہ فرمایا یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹

پھر یہود اور عیسائیوں کی متفقہ شہادت موجود ہے۔ کہ بہر حال مسیح صلیب پر لٹکایا گیا
اور یہی دو قومیں ہیں جو اس معاملہ میں اہل شاہد ہو سکتی ہیں۔ آگے اس بات کے فیصلہ میں کہ مسیح
صلیب پر مرا یا نہیں۔ قرآن شریف کی صاف گواہی موجود ہے کہ وہ نہیں مرا اور خود انجیل سے ثابت
ہوتا ہے۔ کہ وہ صلیب پر نہیں مرا۔ مگر یہ اس کے ثبوت کا موقع نہیں ہے صرف اتنا یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ
مسیح کا صلیب پر صرف دو چار گھنٹہ رہنا۔ صلیب پر اُترنے کے بعد اس کی حسب دستور ہڈیاں توڑی
جانا اور پھر دنے زمین پر سخت اندھیرا چھا جانا اور خطرناک زلزلہ کا آنا پلاطوس کی بیوی کی خواب
کہ مسیح بیگناہ ہے اسے چھوڑ دیا جاوے۔ اگلا دن سبت کا دن ہونا جبکہ شریعت کی رو سے صلیب پر
کوئی مجرم نہ رکھا جا سکتا تھا۔ پلاطوس کی مسیح کو چھوڑ دینے کی خواہش خود مسیح کی عاجزی اور تضرع سے
خدا کے حضور دعائیں کرنا کہ یہ پیالہ اس سے ٹل جاوے۔ مسیح کا اپنا حال یونس نبی کے ساتھ مشابہ قرار
دینا جو تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہکر آخر زندہ ہی باہر نکل آیا۔ مسیح کے دوستوں کی کوششیں
مسیح کسی طرح بچ جاوے۔ ان کا اسے صلیب پر سے اتارنے کے بعد اس کے جسم کو مانگنا اور ا
ایک ہوادار غار میں رکھنا۔ اس کے جسم سے برچھی مارنے پر خون کا نکلنا۔ اس کا واقعہ صلیب کے بعد خفیہ
ادہر اُدہر جاتے دیکھا جانا اور پھر ایک مرہم کا ہونا جو صدیوں سے طب کی کتابوں میں مرہم عیسیٰ
نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ اور جو اس کے زخموں کو لگائی گئی تھی یہ سب باتیں صاف صاف بتا

فی عبادی وادخلی جنتی (سورۃ فجر رکوع ۱) اے اطمینان یافتہ نفس لوٹ آ۔ اپنے رب کیطرف اس حالت میں کہ تو راضی ہو اور اللہ کو بھی راضی کر رہا ہو۔ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔" اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ تمام مقربین بارگاہ الٰہی کا اللہ کی طرف رفع ہوتا ہے۔ پھر رفع کے معنی اس آیت سے بھی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ کہ ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض (سورۃ اعراف رکوع ۲۲)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰

ہیں کہ انجیل کی رو سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مسیح صلیب پر مرا ہو بلکہ وہ زخموں کی شدید تکلیف وغیرہ کیوجہ سے ایک گہری غشی کیحالت میں تھا۔ لیکن جب انکی اچھی طرح خبرگیری کیگئی تو وہ صحتیاب ہوگیا ۔

آیت زیر بحث میں جو شبہ لھم کے الفاظ ہیں۔ ان کے یہ معنی کرنا کہ کوئی اور شخص مسیح کے ہمشکل بنایا گیا تھا۔ بالکل غلط ہے اول تو یہ صریح ظلم ہے کہ ایک کی جگہ دوسرے کو صلیب پر چڑھا دیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ ان الفاظ کے کسی قاعدہ کے ماتحت یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ مسیح کی مثل کوئی اور شخص بنا دیا گیا کیونکہ شبہ کا لفظ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اور ضمیر واحد غائب مستتر ہے * معنی اس کے یہ ہیں کہ مشابہ بنا دیا گیا۔ اور یہی معنی ہمارے مخالف بھی قبول کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کون مشابہ بنا دیا گیا ہے اور کس کے مشابہ بنا دیا گیا۔ ہمارے مخالف مولوی اس موقعہ پر ایک بیرونی شخص کو خواہ مخواہ درمیان میں لے آتے ہیں۔ حالانکہ کسی بیرونی شخص کا اس آیت میں کیا اس کے قریب قریب بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مشابہ بنایا گیا۔ اور جس کے مشابہ بنایا گیا۔ ان دونوں کا آیت کے قریب ذکر ہونا چاہئے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی چیز قرآن شریف کے

علاوہ اس کے یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ جب خدا نے مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا تو مسیح کی شکل بنا کر یہود کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی کیا خدا کو یہ ڈر تھا کہ یہود مسیح کی تلاش میں آسمان تک پہنچ جائیں گے منہ

* یہ صیغہ بھی ہو سکتی ہے کہ شبہ ہو کوئی ضمیر مستتر نہ مانی جائے بلکہ مجہول غائب فاعل سمجھا جائے اور ولکن شبہ لھم

خدا ایک شخص کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ "اگر ہم چاہتے تو اپنے نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کیطرف جھک گیا" اس جگہ مسلمہ طور پر رفع سے رفع روحانی مراد لیا جاتا ہے۔ نہ کہ جسمانی۔ حالانکہ یہاں تو زمین کا مخالف قرینہ بھی موجود ہے۔ تو پھر کیوں خواہ مخواہ مسیح کے بارہ میں رفع سے رفع جسمانی مراد لیا جاوے۔ خاصکر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کا یہ اعتراض تھا کہ مسیح صلیبی یعنی لعنتی موت مرا۔ لہٰذا اس کا رفع روحانی نہیں ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اندر ڈالدے یہ تو یہودیوں والی تحریف ہو جائیگی۔ آیت میں صرف مسیح کا ذکر ہے۔ یا اس بات کا کہ یہود نے دعوٰی کیا کہ مسیح مقتول و مصلوب ہو گیا۔ تو ضرور ہے۔ کہ انہی میں سے کوئی مشابہ بنا اور انہی میں سے کسی کے مشابہ بنا۔ اب غور کیجئے آیت کے معنی کیسے صاف ہو گئے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم یعنی یہود نے مسیح کو مقتول اور مصلوب ہرگز نہیں کیا لیکن مسیح انکی نظروں میں مشابہ بالمقتول و مصلوب ضرور ہو گیا۔ اور یہی ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا کہ یہود کو مسیح کے معاملہ میں دھوکا لگا رہا۔ انہوں نے سمجھا کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ حالانکہ وہ صرف غشی کیحالت میں تھا۔ جو بعد میں جاتی رہی اور علاج کے ساتھ مسیح اچھا بھلا ہو گیا۔ اللہ تعالٰے نے مسیح کو یہود کے شر سے بچانے کی یہ تجویز کی کہ ان کی نظروں میں مسیح مشابہ بالمصلوب کر دیا لیکن اگر وہ بھی غور کرتے اور اس معاملہ میں صرف ظن کی پیروی نہ کرتے اور پوری تحقیقات سے کام لیتے تو ان کو فوراً پتہ لگ جاتا کہ وہ مسیح کو صلیب پر مار ڈالنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ بلکہ کف اللہ عنہ بنی اسرائیل ؛

اب یہ تو فیصلہ ہوا کہ مسیح صلیب پر لٹکایا گیا گو صلیب پر مرا نہیں۔ بلکہ خدا نے اسے یہود کے خاص ارادوں سے محفوظ رکھا۔ لیکن اس جگہ طبیعت میں خیال اٹھتا ہے کہ مسیح اس کے بعد گیا کہاں۔ شاید ناظرین کا خیال ہو۔ کہ اس مسئلہ میں قرآن شریف خاموش ہوگا۔ مگر نہیں جب وہ کسی مسئلہ کو لیتا ہے تو پھر اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بھی وہ

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ نہیں مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ اس کا روحانی
رفع ہوا۔ اگر اس جگہ رفع سے جسمانی رفع مراد لیا جائے۔ تو آیت کے کچھ معنی ہی نہیں بنتے
یہود اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہونے کی وجہ سے روحانی رفع سے محروم رہا۔ بلکہ ایک
لعنتی موت مرا۔ اس پر ان کو جواب ملتا ہے کہ نہیں مسیح کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف
اٹھا لیا۔ سوال کچھ ہے اور جواب کچھ۔ موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان جواب دیتے
ہوئے یہ سوچ لیتا ہے کہ میں اصل اعتراض کا جواب دے رہا ہوں۔ یا کوئی غیر متعلق
بات کہہ رہا ہوں۔ مگر نعوذ باللہ خدا عجیب ہے کہ اعتراض تو رفع روحانی کی نسبت ہے اور جواب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲

خاموش نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔
وجعلنا ابن مریم وامہ ایۃ و اٰوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار و معین (سورۃ مومنون ع ۳)
یعنی ہم نے مسیح اور اس کی ماں کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ہم نے پناہ دی ایک ایسی جگہ کی طرف جو
بلند تھی اور جس میں چشمے جاری تھے۔ اس آیت میں جو پناہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہ صاف اس
طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کہ یہ صلیب والے واقعہ کے بعد کا موقعہ ہے جب مسیح یہود کے شر سے بال
بال بچا۔ دیکھئے اس آیت میں خدا فرماتا ہے۔ کہ مسیح کو ایک بلند جگہ کی طرف پناہ دی گئی جو چشموں والی
تھی۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو کشمیر کا خطہ اس بیان کے ٹھیک مطابق اترتا ہے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب
کو اس طرف توجہ ہوئی تو ایک عرصہ کی تحقیقات کے بعد یہ صاف پتہ چلگیا کہ مسیح صلیب سے بچ کر
افغانستان و کشمیر کی طرف ہجرت کر کے آ گئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسیح کی بعثت بنی اسرائیل کی کھوئی
ہوئی بھیڑوں کیلئے تھی جیسا کہ خود مسیح کے الفاظ سے ظاہر ہے اب تاریخ ہمکو بتاتی ہے۔ کہ
بنی اسرائیل کی بعض قومیں مسیح سے پہلے افغانستان و کشمیر کے علاقوں میں آ کر آباد ہو گئی تھیں۔
دیکھ لیجئے کشمیر کا لفظ ہی اس طرف اشارہ کر رہا ہے یہ مرکب ہے کاف اور شمیر سے جو اصل میں

ہیں رفع جسمانی پیش کیا جا رہا ہے۔ پس یہ یقینی ہے کہ رفع الی اللہ سے مراد رفع روحانی ہے۔ جو تمام مقربین الٰہی کا ہوتا ہے۔ نہ کہ رفع جسمانی مختصراً میں دلائل کو دہرا دیتا ہوں تاکہ آپ کے ذہن نشین ہو جائیں اول یہ کہ اللہ کی ذات صرف آسمان کے اندر محدود

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳

اشیر تھا۔ اور بگڑ کر شیر اور پھر ثقل لفظ کی وجہ سے شمیر بن گیا۔ تو گویا کشمیر کے معنے ہوئے کاشیر یعنی اشیر کی طرح کا ملک ؂ یہ نام سکا بنی اسرائیل نے ہی آکر رکھا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے اصل وطن کے نام پر لوگ اپنے نئے وطنوں کے نام رکھ لیا کرتے ہیں۔ اتنی تحقیقات کے بعد حضرت مرزا صاحب نے کشمیر کی تاریخ تلاش کی تو پرانے واقعات میں مل گیا۔ کہ قریباً انیس سو سال ہوئے کہ باہر کسی ملک سے یہاں ایک شہزادہ نبی آیا تھا جس کا نام یوز آسف تھا۔ جو صاف طور پر یسوع سے بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آخر کار مسیح کی قبر بھی محلہ خان یار سری نگر میں مل گئی۔ اس قبر کے متعلق بھی لوگوں سے دریافت کیا گیا۔ اور تاریخ سے پتہ لیا گیا تو یہی معلوم ہوا کہ یہ اسی یوز آسف کی قبر ہے۔ جو انیس سو سال ہوئے کہ کشمیر میں آیا تھا مزید ثبوت یہ ملا کہ وہ قبر اور اس کے ساتھ والی مسیح کی ماں کی قبر ٹھیک اسی طرز پر ہے جس طرح بنی اسرائیل کی قبریں ہوتی تھیں۔ علاوہ اس کے مسیح کی ہجرت کا ثبوت یہ ہے کہ لفظ مسیح ہی کے یہ معنی ہیں۔ کہ لمبے سفر کرنے والا اور ظاہر ہے کہ مسیح کے سوا اور کسی نبی نے اتنے لمبے سفر نہیں کئے۔ پھر ایک حدیث میں آتا ہے اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من کان الی مکان لئلا تعرف فتوذی (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۴) یعنی اللہ نے عیسیٰ کو وحی کی کہ اے عیسیٰ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکل جا۔ مبادا تو پہچانا جاوے۔ اور تجھے تکلیف میں ڈالا جاوے یہ حدیث صراحت کے ساتھ صلیب کے بعد والے حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ اسی وقت ڈر تھا۔ کہ اگر یہود مسیح کو دوبارہ دیکھ لیں گے۔ تو پھر شرارت کریں گے۔ منہ

؂ اشیر عبرانی زبان میں شام کے ملک کو کہتے ہیں منہ۔

نہیں بلکہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ پس اللہ کی طرف رفع ہونے کے سوا رفع روحانی کے اور کوئی معنی نہیں لئے جا سکتے۔ دوسرے یہ کہ یہود کا اعتراض رفع روحانی کے متعلق تھا اس کے جواب میں رفع جسمانی پیش کرنا بے سود ہے۔ اور خدا جیسی حکیم ہستی کیطرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ اگر اللہ کی طرف اٹھائے جانے کے معنے جسم عنصری کیساتھ آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے ہیں۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ تمام مقربین الٰہی زندہ آسمان کیطرف اٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ مرضیۃ۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں رفع کے معنے رفع روحانی کے آئے ہیں۔ جیسا کہ بلعم باعور کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولوشئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض یعنی اگر ہم چاہتے تو ان نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے۔ لیکن وہ تو زمین کیطرف ہی جھک گیا۔ ایک اور آیت ہے جو رفع کے معنوں کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یاعیسیٰ انی متوفیك و رافعك الیّ (سورہ آل عمران رکوع ۶) یعنی خدا فرماتا ہے کہ "اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ اور اپنی طرف تجھ کو اٹھاؤں گا" اس آیت میں رفع کو وفات کے بعد رکھا گیا ہے۔ جس سے رفع کے معنی صاف طور پر کھل جاتے ہیں۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی ارواح کا خدا کی طرف رفع ہوا کرتا ہے۔ اور ان کو بلند مقام میں جگہ دیجاتی ہے لیکن بد ارواح کا کسی بلند مقام کیطرف رفع نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جہنم کی طرف گرا دیجاتی ہے۔ وہو المراد۔ بل رفعہ اللہ الیہ والی آیت اسی آیت کے جواب میں واقعہ ہوئی ہے۔ اسمیں اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں تجھے وفات دیکر اپنی طرف تیرا رفع کروں گا جیسا تمام مقربین کا ہوتا ہے۔ اور آیت رفعہ اللہ الیہ میں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے پورا ہونیکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جو

ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (سورۃ فاطر رکوع ۲) یعنی اللہ ہی کیطرف طیب کلمات چڑھتے ہیں۔ اور نیک اعمال ہی انسان کے رفع کا باعث ہوتے ہیں۔ اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ ہر ایک نیک انسان کا بوجہ اس کے نیک اعمال کے رفع ہوتا ہے۔ تو کیا سارے نیک انسان آسمان پر زندہ اٹھائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کیطرف جانے کے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے بھی ظاہر ہیں۔ کہ انی ذاھب الی ربی (سورۃ الصفت رکوع ۳) یعنی میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ پھر خیر اس قرآنی آیت سے تو سبھی واقف ہیں۔ کہ انا للہ وانا الیہ راجعون (سورۃ بقرۃ رکوع ۱۹) یعنی ہم اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اور اللہ ہی کیطرف ہم جائیں گے۔ تو کیا اللہ کی طرف جانے سے یہ مراد ہے کہ ہم آسمان کی طرف زندہ اٹھائے جائیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنا چچا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا رفعک اللہ یا عم۔ یعنی اے چچا خدا آپ کا رفع کرے۔ (دیکھو کنز العمال) اس حدیث میں نبی کریمؐ نے اپنے چچا کیلئے رفع کی دعا کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ رفع سے مراد رفع روحانی ہے۔ نہ کہ جسمانی۔ پھر اور لیجئے نبی کریمؐ نے ہم کو نماز میں پڑھنے کے لئے دعا سکھلائی ہے۔ کہ اللھم ارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی یعنی اے میرے پروردگار مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت کر اور مجھے رزق عطا کر اور میرا رفع کر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ہمیشہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اب اگر رفع کے معنی رفع جسمانی لئے جاویں۔ تو بڑی مشکل کا سامنا ہے۔ اور وہ یہ کہ نبی کریمؐ ساری عمر رفع کے لئے دعا کرتے رہے مگر انکی دعا قبول نہ ہوئی اور رفع نصیب نہ ہوا۔ نعوذ باللہ من ھذا الہ

✝ علاوہ اسکے مفردات راغب جو قرآن شریف کی مشہور اور مستند لغت ہے اس میں رفعہ اللہ الیہ

غرض یہ یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اور نبیوں کی اصطلاح میں رفع سے مراد رفع روحانی ہوتا ہے۔ نہ کہ رفع جسمانی۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کہیں بھی خدا کے کلام میں جب بندہ کے متعلق رفع کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ تو اس کے معنی سوائے رفع روحانی کے اور کچھ نہیں لئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ رفع روحانی میں مسیح کی قطعاً کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ تمام نیک لوگوں کا اللہ تعالیٰ کیطرف رفع ہوتا ہے۔ سکاہر

نزول کی اصل حقیقت

ایک اور دلیل ہے جو ہمارے مخالف مسیح کے آسمان پر زندہ جانے کے ثبوت میں دیا کرتے ہیں اور وہ یہ کہ احادیث میں آنے والے مسیح کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اترنے کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسیح آسمان سے نازل ہونگے اور ظاہر ہے کہ آسمان سے اس صورت میں نازل ہو سکتے ہیں۔ جبکہ وہ آسمان کیطرف زندہ اُٹھائے گئے ہوں۔ اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اوّل تو کسی صحیح حدیث میں مسیح کے متعلق نزول کے ساتھ سما کا لفظ نہیں استعمال ہوا تا آسمان سے اُترنے کے معنی لئے جاویں۔ حضرت مرزا صاحب نے بیس ہزار روپیہ انعام مقرر کیا اگر کوئی شخص کوئی مرفوع متصل حدیث ایسی پیش کرے جسمیں مسیح کے متعلق زندہ آسمان پر جانے اور پھر آسمان سے نازل ہونیکے الفاظ نبی کریمؐ نے فرمائے ہوں۔ مگر آجتک کوئی مخالف مولوی ایسی حدیث پیش نہ کر سکا۔ اس سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کوئی ایسی حدیث ہے ہی نہیں۔ علاوہ اس کے نزول کے معنوں پر بھی غور نہیں کیا گیا نزول کے معنی ظاہر ہونے اور آنے کے بھی ہیں۔ جیسا کہ لُغت کی کُتب سے ظاہر ہے۔ خود قرآن

معنے لکھے ہیں۔ اور رفع حیث الکشاف یعنی اللہ نے مسیح کا درجہ بلند کیا۔ اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ رافع اللہ کا نام ہے۔ کیونکہ ھو الذی یرفع المومن بالاسعاد و اولیاءہ بالتقرب (منہ)

شریف میں دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم آیات اللہ (سورۃ طلاق ع ۲) "اللہ نے تمہاری طرف یاد کرنیوالا رسول بھیجا ہے۔ جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے"۔ اس آیت میں نبی کریم کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ نبی کریم آسمان سے نہیں اُترے تھے۔ بلکہ عربوں میں سے ہی مبعوث کئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ قد جاء کم رسول من انفسکم۔ پھر قرآن شریف فرماتا ہے۔ وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس (سورۃ حدید رکوع ۳) یعنی ہم نے لوہا اتارا ہے۔ جس میں لڑائی کا بہت سامان ہے۔ اور لوگوں کیلئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ دیکھئے لوہا بھی آسمان سے اُترا ہے۔ حالانکہ ظاہر طور پر ہم اس کو زمین سے ہی کھود کر نکالا جاتا دیکھتے ہیں پھر فرمایا۔ یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سوأتکم (سورۃ اعراف رکوع ۳) "اے بنی آدم ہم نے اتارا تم پر لباس جو تمہارے برہنہ پن کو ڈھانپتا ہے"۔ اس آیت میں لباس کے لئے بھی نزول کا لفظ بیان ہوا ہے۔ حالانکہ لباس تو روئی وغیرہ سے زمین پر ہی تیار کیا جاتا ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ نزول کے ہمیشہ لفظی طور پر اُترنے کے معنی ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ اکثر دفعہ نزول کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے بنی نوع انسان کو بطور ایک انعام اور رحمت کے دی جاتی ہے اور بعض اوقات نزول کا لفظ مطلق ظاہر ہونے کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ یہ لفظ بعض احادیث میں دجال کے ظاہر ہونیکے متعلق بھی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ تو خیر سب جانتے ہیں کہ نزیل کا لفظ مسافر پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور جس جگہ سفر کے بعد قیام کیا جاتا ہے اس کو منزل کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے بعض احادیث میں مسیح کے متعلق بعث اور خروج کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (کنز العمال) جو نزول کے معنوں کی بڑی صراحت کیساتھ

تعیین کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں جو مفہوم بعث اور خروج اور نزول میں مشترک ہے یعنی ظاہر ہونا وہی درست اور صحیح ہوگا۔ پس لفظ نزول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیح آسمان سے نازل ہوگا۔ ایک سخت غلط راہ ہے۔ جس سے پرہیز لازم ہے۔ قرآن کریم کسی بشر کے آسمان پر بجسم عنصری جانے کو صاف الفاظ میں ممتنع قرار دیتا ہے حدیث مسیح کے آسمان پر زندہ جا بیٹھنے پر۔ کوئی گواہی نہیں دیتی۔ بلکہ مخالف ہے اور عقل انسانی اس عقیدہ کو دور سے ہی دھکے دیتی ہے۔ تو پھر خواہ مخواہ مسیح کو کیوں آسمان پر بیٹھا ہوا تصور کیا جاوے ۔

باب دوم

(بحث مسئلہ وفات مسیح)

دوسرا حصہ اس مضمون کا خاص وفات مسیح کے متعلق ہے۔ اب تک میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر نہیں تشریف لیگئے۔ اور اسکی تائید میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پیش کی ہیں اگر کوئی صاحب ٹھنڈے دل سے غور فرماویں تو ان پر روز روشن کیطرح ظاہر ہو جائیگا۔ کہ اسلامی تعلیم کے مطابق یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح بجسم عنصری آسمان پر چلا گیا اب میں بتاتا ہوں کہ مسیح وفات بھی پا چکا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

نبی اکرم سے پہلے جتنے رسول ہوئے وہ وفات پا گئے	ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم

علی اعقابکم (سورۃ آل عمران رکوع ۱۵) "محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے جو رسول ہوئے وہ گذر گئے۔ تو کیا اگر محمدؐ طبعی موت سے فوت ہو جاویں یا قتل کئے جاویں۔ تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟" یہ آیت کریمہ صاف طور پر نبی کریم سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی موت کی خبر دیتی ہے۔ اور انکی نسبت بتاتی ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مسیح بھی ایک رسول تھے۔ جو چھ سو سال نبی کریم سے پہلے مبعوث کئے گئے پس لامحالہ ماننا پڑا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ مگر اس آیت پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ خلا کے معنی صرف گذر جانے کے ہیں۔ اس سے یقینی طور پر موت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ایک شخص زندہ آسمان پر اٹھا لیا جاوے۔ تو انکی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نہیں رہا۔ اور گذر گیا۔ اس اعتراض کے دو جواب یاد رکھنے چاہئیں اول تو یہ کہ عربی زبان میں خلا کے معنی مات (یعنی وہ مرگیا) کے بھی آتے ہیں۔ تاج العروس جو لغت عربی کی سب سے بڑی اور مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ خلا فلان اذا مات یعنی جب کوئی مر جاوے تو کہتے ہیں کہ خلا فلان فلاں شخص گذر گیا۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ خود اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلا کے معنوں کی تعیین کر دی ہے جیسا کہ فرمایا افان مات او قتل یعنی اگر محمد مصطفےٰ طبعی موت سے مر جاویں یا قتل کر دئے جاویں۔ تو گویا اس جگہ خلت کے معنی لازمی طور پر ان دو صورتوں میں سے ایک کے ہونے چاہئیں۔ یہ الفاظ کہ افان مات او قتل ہم کو صاف بتاتے ہیں کہ گذشتہ انبیاء کا گذر جانا انہی دو صورتوں میں سے کسی میں ہوا۔ یعنی یا تو وہ طبعی موت سے وفات پاتے رہے اور یا پھر قتل ہو جاتے رہے۔ اگر گذشتہ نبیوں سے کوئی آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہوتا یا مذکورہ دو طریقوں کے سوا کسی اور طریق سے کسی گذشتہ نبی کا گذر جانا واقع ہوا ہوتا۔ تو اس صورت کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

از کم مسیح کی استثنائی صورت بھی بیان کر دی جاتی. مگر ایسا نہیں کیا گیا. پس اس سے ظاہر ہے کہ مندرجہ آیت میں خلا کے معنی یا طبعی موت سے مرنے کے لئے جاویں گے اور یا قتل کے ذریعہ اس جہان فانی کو چھوڑ جانے کے. لیکن چونکہ مسیح کے متعلق اللہ تعالیٰ کی صاف گواہی موجود ہے کہ ماقتلوہ کہ مسیح قتل نہیں کیا گیا. تو لامحالہ دوسری صورت کو ہی ماننا پڑے گا یعنی یہ ماننا پڑے گا. کہ مسیحؑ نے موت کے ذریعہ سے اس جہان کو چھوڑا وھوالمراد. آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین آیت کے ساتھ یہ الفاظ دیتے ہیں. کہ وسیخلو کما خلوا بالموت او القتل یعنے نبی کریمؐ بھی اسی طرح دنیا کو چھوڑ جائیں گے. جس طرح گذشتہ انبیاء طبعی موت کے ذریعہ یا قتل کے ذریعہ دنیا کو چھوڑ گئے ۔

وفات مسیحؑ پر صحابہؓ کا اجماع

اس آیت کے معنی اور بھی واضح ہو جاتے ہیں. جب ہم اس کو ایک مشہور تاریخی واقعہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں. احادیث صحیح بخاری کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ جب نبی کریمؐ فوت ہوئے. تو ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عمرؓ ابھی تک آپ کو زندہ ہی سمجھ رہے تھے. اور کہتے تھے کہ آپ پھر واپس آجائیں گے. وہ اپنے اس خیال پر اس قدر جمے ہوئے تھے. کہ انہوں نے کہا کہ جو کوئی بھی نبی کریمؐ کو فوت شدہ کہیگا. میں اسکی گردن اڑا دوں گا. اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے. اور صحابہؓ کے سامنے یہی آیت پڑھی.

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل

یعنی محمدؐ تو صرف ایک رسول تھے. ان سے پہلے جو رسول ہوئے. وہ فوت ہو چکے اور اب نہیں رہے. حضرت عمرؓ پر اس قدر غم طاری ہوا کہ وہ زمین پر گر گئے. کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا پیارا آقا اللہ کا صرف ایک رسول تھا جس نے گذشتہ انبیاء

کی طرح موت کے دروازہ سے گذرنا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی گذشتہ نبی اس وقت تک زندہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ کے اس استدلال پر کہ چونکہ پہلے نبی سب فوت ہو چکے ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہؐ کو بھی فوت ہونا چاہیئے۔ صحابہ کرامؓ ضرور اعتراض کرتے۔ خاصکر حضرت عمرؓ اور ان کے ہمخیال جو پہلے سے ہی آنحضرت کو ابھی تک زندہ تصور کر رہے تھے۔ مگر سب صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اتفاق کر کے اس استدلال پر مہر لگا دی۔ گویا آنحضرتؐ کے بعد جس مسئلہ پر سب سے پہلا اجماع صحابہؓ کا ہوا وہ یہی تھا کہ گذشتہ انبیاء تمام کے تمام فوت ہو چکے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ مسیح ناصری کی وفات پر یہ کیسی صاف اور واضح دلیل ہے۔ مگر افسوس حضرت مرزا صاحب سے لوگوں کا اس قدر عناد بڑھا ہوا ہے۔ کہ صاف سے صاف دلیل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے۔ اور یہی کہے جاتے ہیں۔ کہ بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا مگر عقل طلب امر یہ ہے کہ او لو کان اٰباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون اچھا پھر آگے چلیئے۔ قرآن شریف فرماتا ہے:۔

مسیح کا رفع وفات کے بعد ہوا

یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (سورۃ آل عمران)

"اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور پاک کروں گا تجھ کو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکرین پر غلبہ دوں گا۔" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسیح سے چار وعدے فرمائے ہیں۔ جو ایک ترتیب میں واقع ہوئے ہیں۔ اب یہ خیال کرنا کہ پچھلے تین وعدے تو پورے ہو چکے ہیں۔ مگر پہلا وعدہ ابھی تک پورا ہوا ہی نہیں ؟

صریح ہٹ دھرمی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اس کے الفاظ موتیوں کیطرح اپنی اپنی جگہ جڑے گئے ہیں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کی آیات کے الفاظ کو الٹ پلٹ دے، اگر اس طرح ہونے لگے تو امان اُٹھ جاوے۔ یہود کو اس واسطے اللہ تعالیٰ لعنت ملامت کرتا ہے۔ کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ یعنی وہ بدبخت لوگ الٰہی کلام میں دست برد کرتے اور الفاظ کو اپنی جگہ سے الٹ پلٹ کر دیتے تھے، مگر ہائے افسوس آج مسلمانوں نے بھی وہی کیا اور صرف حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کیوجہ سے کہدیا کہ اس آیت میں اصل میں رافعک پہلے رکھنا چاہیے۔ اور متوفیک بعد تاکہ کسی طرح مسیح زندہ ثابت ہو جاوے۔ مگر یہ خیال بدیہ البطلان ہے۔ لیکن خیر بعض مفسرین اور آجکل کے مولویوں کی اس کوشش نے ہم کو یہ واضح طور پر بتا دیا کہ متوفیک کے معنی دراصل ان کے نزدیک بھی وفات دینے کے ہی ہیں۔ ورنہ تقدیم تاخیر کی کوشش کے کیا معنے اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی سے وعدہ کیا کہ وہ اس کو وفات دیگا۔ اور اسکو اپنی طرف اُٹھائیگا۔ اور اس کو کافروں کے الزاموں سے پاک کریگا۔ اور اس کے متبعین کو قیامت کے دن تک اس کے منکرین پر غالب رکھیگا۔ اب ہمارے مخالف یہ مانتے ہیں کہ مسیح کا رفع ہو چکا ہے۔ اور قرآن شریف کے ذریعہ اللہ نے یہود کے الزامات سے مسیح کو پاک ثابت کر دیا اور پالآخر مسیح کے متبعین کو اس کے منکرین پر غلبہ بھی حاصل ہو گیا۔ مگر تا حال سب سے پہلا وعدہ یعنی وفات کا پورا نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ پہلا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اس وعدہ کے ایفار کا وقت آخری وعدہ کے بعد رکھا جائیگا۔ کیونکہ آخری تین وعدے پورے ہو چکے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ آخری وعدہ کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے جیسا کہ الیٰ یوم القیامۃ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ تو گویا قیامت تک تو مسیح صاحب

پر موت آتی نہیں اور جب قیامت آئیگی اور مُردے قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اس وقت مسیح کی روح قبض کیجائیگی۔ مگر اس میں ایک اور مشکل کا سامنا ہے۔ اور وہ یہ کہ قیامت کا دن تو زندہ کرنے کا دن ہے۔ نہ کہ مارنے کا۔ تو گویا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت مسیح موت کے پنجے سے بالکل چھوٹ گئے۔ چلو فیصلہ ہوا۔ اس مضمون پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "توفی کا لفظ اگر آیت کے سر پر سے اُٹھا دیا جاوے۔ تو اس کو کسی دوسرے مقام میں قیامت سے پہلے رکھنے کی کوئی جگہ نہیں سو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام قیامت کے دن مریں گے۔ اور پہلے مرنے سے یہ ترتیب مانع ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ قرآن شریف کی یہ کرامت ہی کہ ہمارے مخالف یہودیوں کیطرح قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ تو ہوئے۔ مگر قادر نہیں ہوسکے۔ اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں فقرہ رافعک کو اپنے مقام سے اُٹھا کر اس جگہ رکھا جاوے ہر ایک جگہ کی خانہ پُری ایسے طور سے ہوچکی ہے کہ دست اندازی کی گنجائش نہیں" غرض ہم مجبور ہیں کہ جو ترتیب اللہ تعالٰی نے جو حکیم ہے۔ الفاظ کی رکھی ہے اس کو قبول کریں اور اپنی طرف سے ایک نیا قرآن نہ بنائیں۔ پس چونکہ پچھلے تین وعدے مسلمہ طور پر پورے ہوچکے ہیں۔ اس لئے لامحالہ ماننا پڑا کہ پہلا وعدہ جو مسیح کی وفات کے متعلق ہے وہ بھی پورا ہوچکا ہوگا۔ یہ آیت رفع کے معنی بھی واضح کر رہی ہے۔ کیونکہ رفع کا وعدہ وفات کے وعدہ کے بعد اللہ نے رکھا ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ رفع انہی معنوں میں ہے۔ جو آیت یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک میں بیان کئے گئے ہیں۔ موت کے بعد نیک ارواح کا اللہ کیطرف رفع ہوتا ہے۔ مگر بد ارواح کا اللہ کیطرف رفع نہیں ہوتا۔ انہی معنوں میں مسیح کا رفع ہوا ؛

متوفیک کے معنے

اس آیت کے متعلق بعض مخالف علماء یہ کہتے ہیں کہ اس میں

جو لفظ متوفیک کا واقع ہوا ہے۔ اس کے معنی قبض روح لینے وفات دینے کے نہیں ہیں بلکہ مجھے کو آسمان پر اٹھا لینے کے ہیں۔ اس کے جواب میں پیشتر اس کے کہ میں لغت کے حوالہ سے توفی کے معنی ظاہر کروں حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر نقل کئے دیتا ہوں جس میں اس اعتراض کا جواب ہے حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں " خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے تیئس مقامات میں لفظ توفّی کو قبض روح کے موقعہ پر استعمال کیا ہے اول سے آخر تک قرآن شریف میں کسی جگہ لفظ توفّی کا ایسا نہیں جس کے بجز قبض روح اور مارنے کے اور معنی ہوں۔ اور پھر ثبوت پر ثبوت یہ کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے متوفیک کے معنی ممیتک لکھے ہیں۔ ایسا ہی تفسیر فوز الکبیر میں بھی یہی معنی مندرج ہیں اور کتاب عینی تفسیر بخاری میں اس قول کا اسناد بیان کیا ہے۔ احادیث میں جہاں کہیں توفّی کا لفظ کسی صیغے میں آیا ہے۔ اس کے معنی مارنا ہی آیا ہے۔ جیسا کہ محدثین پر پوشیدہ نہیں اور علم لغت میں یہ مسلم اور مقبول اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہو۔ وہاں بجز مارنے کے اور کوئی معنے توفّی کے نہیں آتے۔ تمام دواوین عرب اس پر گواہ ہیں۔ اب اس سے زیادہ ترک انصاف کیا ہوگا کہ قرآن بلند آواز سے فرما رہا ہے۔ کوئی نہیں سنتا۔ حدیث گواہی دے رہی ہے کوئی پروا نہیں کرتا۔ علم لغت عرب شہادت ادا کر رہا ہے کوئی انکی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ دواوین عرب اس لفظ کے محاورات بتلا رہے ہیں۔ کسی کے کان کھڑے نہیں ہوتے" زائد تسلی کیلئے لغت ملاحظہ ہو۔ چھوٹی موٹی لغت کی گواہی تو ہمارے مولوی شاید ٹال دیں۔ اس لئے ہم سب سے بڑی اور مستند کتاب تاج العروس کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ تاج العروس میں لکھا ہے۔

توفاہ اللہ عزوجل اذا قبض نفسہ یعنے توفاہ اللہ کے معنی ہیں اللہ نے اسکی روح قبض کر لی۔ اور یہ بھی لکھا ہے توفی فلان اذا مات یعنی توفی فلان

کے یہ معنی نہیں کہ فلاں مرگیا۔ پھر علامہ زمخشری صاحب کشاف نے متوفیک کے معنے لکھتے ہیں۔ ممیتك حتف انفك یعنی تجھے تیری طبعی موت سے مار دونگا۔ پس یہ یقینی ہے کہ آیت زیر بحث میں انی متوفیک کے معنی صرف یہی ہیں۔ کہ میں تجھ کو وفات دوں گا۔ اسمیں شک نہیں کہ چونکہ توفّی کے اصل معنی قبض روح کے ہیں۔ جو ایک حد تک نیند میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے توفّی کا لفظ بعض اوقات صرف نیند کے وقت قبض روح کرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ مگر ان معنوں کیلئے قرینہ کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ ورنہ بغیر قرینہ کے جب یہ لفظ استعمال ہو اور خدا فاعل ہو اور انسان مفعول بہ تو لا محالہ اس کے معنی وفات دینے کے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے چیلنج دیا مخالف مولویوں کو کہ وہ قرآن شریف یا حدیث یا عرب کی کسی مستند کتاب میں یہ دکھا دیں۔ کہ جب خدا فاعل ہو۔ اور کوئی مذکور انسان مفعول بہ ہو تو توفّی کے سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی ہوں مگر آجتک کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ علاوہ ازیں خود آیت زیر بحث متوفّیک کے معنی صاف بتا رہی ہے کیونکہ اگر متوفیک کے معنی یہ ہیں۔ کہ پورا اُٹھا لینا تو رافعك کا لفظ الگ لانے سے کیا فائدہ۔ اس آیت میں رافعک کا لفظ اس بات پر یقینی شہادت ہے۔ کہ متوفیک رافعك سے الگ کوئی چیز ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نبی کریم کو فرماتا ہے اما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفّینك ہم جو کفار کو عذاب کے وعید دے رہے ہیں۔ ان میں یا تو بعض تجھے دکھا دیں گے۔ اور یا تجھے وفات دیدینگے۔ پھر قرآن میں لکھا ہے۔ ربنا افرغ علینا صبرا و توفنا مسلمین۔ یعنی اے رب ہمارے ہم کو صبر کی کامل توفیق عطا کر اور ہم کو اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔ غرض توفّی کے لفظ پر اڑنا پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی ہے اور پھر تعجب یہ کہ جب کسی اور شخص کیلئے یہی لفظ توفّی کا استعمال ہو تو اس کے معنی وفات

دیئے کئے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں یہ حضرت عیسیٰ کے متعلق استعمال ہوا فوراً اس کے معنی آسمان کیطرف اٹھا لینے کے ہوگئے۔ محمد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تو وفات دینے کے معنی رہے۔ لیکن عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق آسمان پر لے جانے کے معنی پیدا ہوگئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مسیح کا اپنی وفات کے متعلق اپنا اقرار اور وفا کا وقت

یہاں تک جو آیات میں نے وفات مسیح کے متعلق لکھی ہیں ان سے بڑی وضاحت کیساتھ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح وفات پا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صاف گواہی موجود ہے۔ اور تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھا جائے۔ تو مسیح کی وفات کا مسئلہ ایسا صاف ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں مگر جنہوں نے نہیں ماننا وہ نہیں مانتے۔ اچھا اب میں مسیح کی خود اپنی وفات کے متعلق شہادت پیش کرتا ہوں۔ شاید اللہ کی گواہی پر اگر پوری تسلی نہ ہوئی ہو۔ تو مسیح کا اپنا بیان کسی تشفی کا موجب ہو جائے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ واذ قال اللہ یا عیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیئٍ شھید۔ (سورۃ مائدہ رکوع ۱۶) اور جب خدا (قیامت کے دن) کہیگا کہ ای عیسےٰ بیٹے مریم کے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ کے سوا۔ تو عیسےٰ جواب دیں گے۔ پاک ہی تیری

ذات مجھے زیبا نہیں کہ کہوں وہ جسکا مجھے کوئی حق نہیں اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو تو اسے جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے لیکن میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ تو تو بیشک غیبوں کا جاننے والا ہے میں نے انکو سوائے اس بات کے جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا۔ اور کچھ نہیں کہا۔ اور وہ یہ کہ عبادت کرو اس کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اور میں تو ان پر نگران رہا۔ جبتک میں ان کے درمیان رہا۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پھر تو تو ہی انکو دیکھنے والا تھا۔ اور تو ہر ایک چیز پر نگران ہے۔"

یہ آیت مسیح کی وفات پر دلیل کا ایک سورج چڑھا دیتی ہے۔ کنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم فلما توفیتنی میں مسیح صرف دو زمانوں کا ذکر کرتا ہے۔ جنمیں سے وہ یکے بعد دیگرے گذرا۔ پہلا زمانہ وہ ہے۔ جب مسیح اپنے متبعین کے اندر موجود تھا اور دوسرے زمانہ میں جو پہلے کے ساتھ ملحق ہے۔ وہ مسیح کی وفات کا زمانہ ہے۔ اب اگر مسیح واقعی آسمان پر گیا ہوتا تو اس کا جواب یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ ما دمت فیھم فلما رفعتنی الی السماء حیًا یعنی میں اپنے متبعین پر نگران حال رہا۔ جبتک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے زندہ آسمان کیطرف اٹھا لیا الخ مگر مسیح کا جواب یہ نہیں بلکہ مسیح نے اپنے متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ جس کا ذکر کیا ہے وہ اپنی وفات کا زمانہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح آسمان پر نہیں اٹھایا گیا۔ بلکہ فوت ہو گیا۔ آیت زیر بحث ہم کو صاف الفاظ میں بتاتی ہے کہ وہ چیز جو مسیح کے پہلے زمانہ یعنی متبعین کے درمیان رہنے والے زمانہ کو کاٹنے والی اور نیا دور شروع کرنے والی ہے وہ مسیح کی وفات ہے۔ جیسا کہ ما دمت فیھم فلما توفیتنی سے ظاہر ہے اگر پہلے زمانہ کو کاٹنے والی چیز آسمان پر جانا ہوتا۔ تو مسیح کا یہ جواب غلط ٹھہرتا۔

پھر یہی نہیں اسی آیت میں مسیح اپنی وفات کا وقت بھی ہم کو بتلاتے ہیں کیونکہ فرماتے ہیں کہ میں نے انکو یہی تعلیم دی تھی۔ کہ خدا کی پرستش کرو۔ جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اور میں جبتک ان کے درمیان رہا۔ میں ان پر نگران رہا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جب تک میں ان میں رہا۔ میں نے ان کو سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہیں دیا۔ اس طرح گویا مسیح اپنے متبعین کے گمراہ ہو جانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ مسیحی لوگ حضرت مسیح کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے۔ مگر قرآن ہم کو بتا رہا ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں ہی مسیحی لوگ راہ راست چھوڑ بیٹھے تھے۔ اور گمراہ ہو چکے تھے۔ جیسا کہ فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح کم از کم نبی کریم کے زمانہ مبارک سے پہلے پہلے وفات پا چکا تھا۔ مسیح کا جواب صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ عیسائی لوگ مسیح کی وفات کے بعد بگڑے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی بگڑ چکے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں بگڑے تو خیر مسیح زندہ ہوگا۔ لیکن اگر بگڑ چکے ہیں اور ضرور بگڑ چکے ہیں تو پھر اس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں۔ کہ مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ مسیح اب تک آسمان پر زندہ موجود ہے۔ اور آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے نازل ہوگا۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ وہ اپنی امت کے بگڑ جانے سے واقف ہو جائیگا اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ میری امت مجھ کو خدا بنا رہی ہے۔ تو اس صورت میں وہ کس طرح اپنی ناواقفیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ کیونکہ مسیح کیطرف سے یہ نعوذ باللہ ایک صریح جھوٹ ہوگا۔ اور اگر وہ باوجود پورا علم رکھنے کے پھر لاعلمی کا اظہار کرے۔ تو یہ ایسا جھوٹ ہے کہ ایک گندہ سے گندہ آدمی خدا کے حضور ایسے بدبودار جھوٹ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تو پھر مسیح جو ایک خدا کا پیارا بندہ اور رسول تھا وہ کس طرح السا صریح جھوٹ بولیگا۔

حدیث میں اس آیت کی تفسیر

ایک حدیث اس آیت کے معنوں کو روز روشن کی طرح ظاہر کر دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث (بخاری کتاب التفسیر) میں آتا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا۔ اور اپنے متبعین کو پانی تقسیم کر رہا ہوں گا۔ اچانک لوگوں کا ایک گروہ میرے سامنے آئیگا۔ جن کو فرشتے دھکیلے لئے جا رہے ہوں گے۔ میں ان کو دیکھ کر چلا اٹھوں گا۔ اصیحابی اصیحابی یہ تو میرے صحابہ ہیں یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اس پر فرشتے کہیں گے۔ انك لا تدری ما احدثوا بعدك انهم لم یزالوا مرتدین علی اعقابهم۔ "آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا۔ یہ تو آپ کے بعد اپنی ایڑیوں پر پھر گئے" نبی کریم فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں وہی کہوں گا۔ جو ایک نیک بندہ عیسیٰ بن مریم نے کہا۔ کہ کنت علیهم شهیدا مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم۔ یعنی جبتک میں ان کے درمیان رہا۔ میں انکی نگرانی کرتا رہا پھر جب اے خدا تو نے مجھ کو وفات دے دی تو پھر تو ہی انکو دیکھنے والا تھا" دیکھئے نبی کریم نے وہی الفاظ اپنے متعلق استعمال کئے جو عیسےٰ نے کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ نبی کریم آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ بلکہ موت نے ہی ان کو ان کے متبعین سے الگ کیا یہی معنی عیسےٰ کے متعلق لینے چاہئے۔ نیز غور فرمائیے کسطرح نبی کریم نے اپنا حال عیسےٰ بن مریم کے حال سے مشابہ قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جسطرح عیسےٰ بن مریم اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا۔ اسی طرح میں کروں گا۔ اور پیچھے میں اوپر بھی بتا آیا ہوں کہ اگر مسیح آخری زمانہ میں نازل ہو تو پھر وہ ضرور اپنی امت کے بگڑ جانے سے قیامت سے پہلے ہی واقف ہو جائیگا۔ اس لئے اس کے لئے قیامت کے روز اپنی لاعلمی ظاہر کرنا ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ کیا مسیح کے متبعین میں سے کوئی شخص اس وقت اٹھ کر یہ نہیں

کہ سکے کہ "اے خدا اس شخص نے ایک ایسا سیاہ جھوٹ بولنے کی جرأت کی ہے۔ جس پر قریب ہے کہ زمین اور آسمان پھٹ جاویں۔ یہ آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں آیا۔ اور اس نے مجھ کو اہل کی خدائی مانتے اور لوگوں سے منواتے دیکھا۔ جس کی وجہ سے اس نے ہمارے خلاف جنگ کی اور چالیس سال تک اس نے زمین میں ایک شور مچائے رکھا اور اس وقت تک اس نے تلوار نیام میں نہیں کی۔ جبتک اس نے تمام ان لوگوں کو تلوار کی گھاٹ میں اتار لیا۔ جنہوں نے اسکی بات کا انکار کیا مگر اب خداوند یہ اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے"۔ افسوس حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں لوگ اس قدر اندھے ہو گئے۔ کہ خدا کے ایک عظیم الشان نبی پر الزام لگا دیا۔ مگر مرزا صاحب کو سچا ماننا گوارا نہ کیا۔ یاحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ آیت زیر بحث توفّی کے معنی بھی واضح کر رہی ہے۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے اپنے متعلق یہی الفاظ استعمال کئے کہ فلما توفیتنی یعنے جب تو نے مجھے وفات دیدی۔ اگر توفّی کے معنے وفات دینے کے نہ ہوتے۔ بلکہ اُٹھا لینے کے ہوتے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ تو نبی کریم ان الفاظ کو اپنے متعلق استعمال نہ کرتے۔ کیونکہ آپ تو آسمان کیطرف نہیں اُٹھائے گئے بلکہ عام لوگوں کیطرح فوت ہوئے۔

مسیح کو اگر خدا فرض کر لیا جائے تو وہ پھر بھی موت سے نہیں بچتا

یہاں تک تو مسیح بحیثیت انسان کے مذکور ہوا لیکن چونکہ قرآن شریف ایک ایسی جامع کتاب ہے۔ جو کسی پہلو کو نہیں چھوڑتی ہے اور دنیا کا ایک بڑا حصہ مسیح کو خدا مانتا ہے اسلئے اس حیثیت میں بھی قرآن شریف اس کی وفات کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ ہر طرح حجت پوری فرماتا ہے۔ والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (پارہ ۱۴ نحل رکوع ۲) جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں (یعنی عبادت کرتے ہیں) وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔" یہ آیت اُن تمام کی موت کی خبر دیتی ہے۔ جو بطور معبود نبی کریمؐ کے زمانہ میں پوجے جاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ مسیح انہی میں سے ایک ہی۔ مگر بعض لوگ اس آیت کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں بتوں وغیرہ کا ذکر ہے۔ نہ کہ ان انسانوں کا جو بطور خدا کے پوجے جاتے ہیں۔ لیکن یہ صریح غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں فرماتا ہے۔ وما یشعرون ایان یبعثون یعنی جو پوجے جاتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کا بعث کب ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ بعث پتھر کے بتوں وغیرہ کا تو نہیں ہوا کرتا بلکہ انسان کا ہی موت کے بعد بعث ہوگا علاوہ اس کے آیت میں الذین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی قواعد کے رو سے بیجان کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ جاندار ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔ اس لئے بھی یہاں پتھر وغیرہ مراد نہیں ہو سکتے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ان انسانوں ہی کے متعلق ہے۔ جو بطور معبود نبی کریمؐ کے زمانہ میں پوجے جاتے تھے۔ تو لامحالہ مسیح ناصری بھی اس فہرست میں داخل ماننے پڑیں گے۔ بلکہ کیا بلحاظ نبی کریمؐ کے زمانی طور پر سب سے زیادہ قریب ہونے کے اور کیا بلحاظ اس کے کہ انسان خداؤں میں سے سب سے زیادہ مسیح کی پرستش کی جاتی ہے۔ سب سے پہلا شخص جو اس فہرست میں آتا ہے وہ مسیح ہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں داخل ہیں جن کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ کہ اموات غیر احیاء۔ وما یشعرون ایان یبعثون۔

آیت اِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتٰب الخ کی صحیح تفسیر

مندرجہ بالا قرآنی آیات سے اچھی طرح واضح ہو چکا ہوگا کہ حضرت مسیح آسمان پر تشریف نہیں لیگئے۔ بلکہ عام آدمیوں کی طرح اپنے زندگی کے دن کاٹ کر وفات پا گئے۔ مگر اسجگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالف جس آیت سے مسیح کی حیات نکالتے ہیں۔ اسکی مختصر تشریح کر دی جاوے۔ تا ہر طرح سے یہ مسئلہ صاف ہو جاوے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ (سورۃ النساء رکوع ۲۲) اس آیت کے معنی غیر احمدی علماء عام طور پر اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ”کوئی اہل کتاب میں نہیں مگر ایمان لائیگا مسیح پر مسیح کی موت سے پہلے“ جس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ مسیح اب تک زندہ ہے۔ اور آخری دنوں میں آسمان سے نازل ہوگا۔ اور سب کے سب اہل کتاب اس پر ایمان لانے پر مجبور کئے جاویں گے۔ لیکن اگر ہم ذرا غور سے کام لیں تو اس دلیل کا تمام پول کھل جائیگا۔ قرآن شریف کے الفاظ ہیں۔ ان من اہل الکتٰب جس کے معنے ہیں تمام کے تمام اہل کتاب بغیر استثناء کے“ اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جاوے کہ جس وقت مسیح نازل ہوں گے۔ اس وقت جتنے یہود ہوں گے۔ مسیح پر ایمان لے آئیں گے۔ تب بھی ان من اہل الکتٰب کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ لاکھوں کروڑوں یہود جو اس آیات کے نزول اور مسیح کی آمد کے درمیان فوت ہو گئے

الخ یہ معنی کرتے ہوئے ہمارے مخالف اتنا نہیں سوچتے کہ انہی یہود کے متعلق اس آیت سے پہلے آیات اوپر مذکور ہے۔ لا یؤمنون الا قلیلاً یعنی ان میں سے بہت کم ایمان لائیں گے۔ مگر

اور ہو لیں گے۔ وہ کس طرح ایمان لائیں گے۔ وہ تو بہرحال جتنے بھی رہیں گے
مگر استغفار کے یہ الفاظ متحمل نہیں ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو معنی اس آیت کے کئے
جاتے ہیں۔ وہ غلط ہیں۔ علاوہ اس کے ہم قرآن میں پڑھتے ہیں۔ واغرینا بینہم
العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ (سورۃ مائدہ رکوع ۳) یعنی ہم نے
یہود اور نصاریٰ میں دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جو قیامت کے دن تک رہیگا
جس سے ثابت ہوا کہ ایسا کوئی وقت نہیں آئیگا۔ جب یہود اور نصاریٰ بالکل
معدوم ہو جائیں گے۔ بلکہ وہ قیامت تک رہیں گے۔ علاوہ اس آیت کے اور بھی
بہت سی قرآنی آیات ہیں۔ جو ہم کو صاف طور پر بتاتی ہیں۔ کہ یہود قیامت تک
رہیں گے۔ اور بالکل معدوم کبھی نہیں ہوں گے۔ پس آیت زیر بحث کے یہ معنی کرنا
کہ کوئی ایسا وقت آئیگا۔ جب تمام کے تمام یہود عیسےٰ پر ایمان لے آئیں گے قرآن
شریف کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔ تو پھر آیت کے صحیح معنے کیا ہوئے؟ اس سوال
کے جواب سے پہلے میں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ یہ جو معنی ہمارے مخالف کرتے ہیں ان پر
سلف کا کبھی ہرگز اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کی تفسیر میں بہت اختلاف
ہوا ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ حتیٰ کہ ان معنوں کے خلاف خود انہی کے
گھر میں شہادت موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ صحیح معنے اس آیت کے وہی ہوں گے۔ جو
قرآن کی محکم آیات کے مخالف نہ ہوں۔ اور آیت کا سیاق سباق جن کا متحمل ہو۔
اب ہم سباق و سیاق پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے
پہلے یہود کے اس دعوے کا ذکر ہے۔ کہ انہوں نے مسیح کو مصلوب کر دیا۔ جس کی
تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل میں مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ یہود کو غلطی
لگی ہے۔ ہاں مسیح بوجہ زخموں کی تکلیف وغیرہ کے ایسی غشی کی حالت میں ضرور ہو گیا

تھا۔ کہ جس سے وہ مشابہ بالمصلوب ہوگیا۔ اور اسی لئے یہود کو یہ دھوکا لگا کہ مسیح واقعی صلیب پر مرگیا۔ مگر یہود نے اس معاملہ میں پوری تحقیقات سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صرف ایک ظن کی پیروی کرتے رہے ہے۔ اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ ان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ یعنی تمام کے تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے اسی بات پر ایمان رکھینگے۔ (کہ مسیح واقعی مصلوب ہوگیا) لیکن ان کا یہ ایمان صرف انکی موت تک رہیگا۔ اور موت کے بعد ان پر حقیقت آشکارا ہوجائیگی۔ کیونکہ موت کے بعد حقیقت کھل جایا کرتی ہے۔ اور انسان کو اپنی غلطیوں کا علم ہوجاتا ہے۔ دیکھئے یہ معنی کیسے صاف ہیں۔ اور سیاق وسباق عبارت کے کس طرح مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس دنیا کی زندگی میں تو بیشک تمام اہل کتاب کا یہی ایمان رہیگا۔ کہ مسیح صلیب پر مرگیا۔ لیکن یہ ایمان صرف موت تک ہی۔ بعد موت کے ان کو پتہ لگ جائیگا۔ کہ ان کا خیال غلط تھا۔ اور مسیح درحقیقت صلیب پر نہ مرا تھا۔ ان معنوں کی مزید تائید اس طرح ہوتی ہے۔ کہ آیت میں جو لفظ موتہ آیا ہے۔ اسکی دوسری قرأت موتھم آئی ہے جیسے تفسیر بیضاوی وکشاف وغیرہ سے ظاہر ہے پس یہ یقینی ہوا کہ موتہ کی ضمیر عیسیٰ کی طرف نہیں جاتی۔ بلکہ اہل کتاب کی طرف جاتی ہے۔ لفظ بہ میں جو ضمیر ہے وہ اہل کتاب کے اس قول کی طرف جاتی ہے۔ کہ مسیح صلیب پر مرگیا جس

۱؎ علاوہ ازیں جو معنے اس آیت کے ہمارے مخالف کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت یہود کیلئے ایک بہت بڑی خیر کی طرف اشارہ کرنے والی ٹھہرتی ہے۔ حالانکہ اس آیت سے پہلی اور پچھلی آیات ساری کی ساری یہود کی شرارتوں اور بدبختیوں پر مشتمل ہیں

قول کا اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ معنی جو ہیں نے آیت کے
کئے ہیں اگلی آیت زیر بحث کا آخری حصہ بڑے زور سے تائید کر رہا ہے۔ جہاں فرماتا
ہے۔ ویوم القیامۃ یکون علیہم شہیدا [1] یعنی اہل کتاب کا یہ خیال پڑا رہیگا
کہ مسیح درحقیقت صلیب پر مر گیا تھا لیکن قیامت کے دن جب تمام مردے اٹھائے جائینگے
تو وہ (مسیح) ان کے خلاف بطور ایک گواہ کے کھڑا ہوگا۔ اور ان کو بتا دیگا کہ اس کی
صلیبی موت کے متعلق ان کا خیال غلط تھا۔ غرض آیت زیر بحث کا سیاق سباق
اور پھر موتہ کی جگہ موتہم کی دوسری قرأت اور پھر قرآن شریف کی محکم آیات ہم کو مجبور
کرتی ہیں کہ ہم غیر احمدی مولویوں کے معنوں کو غلط قرار دیں۔ قرآن شریف میں اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے :-

قرآن شریف کی تفسیر کا گر

ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ اٰیٰت محکمٰت ھن ام الکتٰب واخر متشٰبھٰت فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ (سورۃ آل عمران رکوع ۱) مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی آیت کے یوں معنی کرتے ہیں :-

"اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں بعض آیات پکی یعنی صاف اور صریح ہیں۔ کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض دوسری مبہم کہ ان کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ تو قرآن کی انہی مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ تاکہ فساد پیدا کریں۔"

[1] یہ آیت خود وفات مسیح پر دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مسیح کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اہل کتاب پر قیامت کے دن بطور شہید کے ہوگا۔ اگر مسیح نے قیامت سے پہلے ہی مرنا تو یہ حکم باطل ٹھہرتا۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہمکو قرآنی آیات کے معنی کرنے کا کیسا گر بتایا ہے۔
کہ جس سے سب جھگڑوں کی جڑھ کٹ جاتی ہے۔ قرآن شریف میں بعض ایسی آیات
ہیں کہ جنکے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ کوئی ضمیر ہو جس کے لیئے
ممکن ہے کہ وہ ایک شئے کی طرف پھرتی ہو۔ اور ممکن ہے کہ دوسری کیطرف پھرتی
ہو۔ یا اور کسی قسم کا تشابہ واقع ہو جائے۔ تو اس صورت میں ہم کو یہ فرمان ہے کہ
ایسی آیات کے وہی معنی کریں۔ کہ جو محکم آیات کے خلاف نہ ہوں۔ اب دیکھئے یہ کیسی
محکم اور قطعیۃ الدلالت آیت ہے۔ واغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی
یوم القیامۃ یعنی یہود اور نصاریٰ میں قیامت تک جھگڑا رہیگا۔ اب[1] انصاف
کا مقام ہے۔ کہ ہم آیت زیر بحث کا کس طرح یہ ترجمہ قبول کرلیں کہ کوئی وقت ایسا
آنیوالا ہے۔ کہ یہود تمام کے تمام مسیح پر ایمان لے آئیں گے۔ اور وہ اور نصاریٰ ایک
ہو جائیں گے۔ اس آیت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ابوہریرہؓ نے بھی اس کے وہی معنی
کیئے ہیں۔ جو آجکل کے مولوی کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں
موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے۔ نہ حضرت عیسےٰ کی طرف اسی واسطے اس
آیت کی دوسری قرأت میں موتھم واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کی طرف یہ ضمیر پھرتی
تو دوسری قرأت میں موتھم کیوں ہوتا؟ دیکھو تفسیر ثنائی۔ کہ کیسا بڑے زور سے
ہمارے بیان کی تصدیق موجود ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ
عنہ کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ مگر صاحب تفسیر لکھتا ہے کہ ابوہریرہ فہم قرآن میں ناقص
ہے۔ اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابوہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا

[1] علاوہ اس کے جو آیات ہم نے وفات مسیح کے ثبوت میں لکھی ہیں وہ بھی کیسی محکم اور واضح ہیں پس
آیت زیر بحث میں حیات مسیح کی طرف کس طرح اشارہ ہو سکتا ہے منہ

اور وہ درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔ اطرمیں کہتا ہوں کہ اگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسے معنی کئے ہیں۔ تو یہ انکی غلطی ہے۔ جبکہ کئی اور مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے۔ کہ جو امور فہم اور درایت کے متعلق ہیں اکثر ابوہریرہؓ ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے۔ اور غلطی کرتا ہے۔ یہ مسلم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہوسکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔ سو ہم بیان کرچکے ہیں کہ اس بات پر اجماع صحابہ ہوچکا ہے۔ کہ تمام انبیاء فوت ہوچکے ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جبکہ آیت قبل موتہ کی دوسری قرأت قبل موتہم موجود ہے جو بموجب اصول محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے۔ یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے تو اس صورت میں محض ابوہریرہ کا اپنا قول رد کرنے کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودہ کے مقابل ہیچ اور لغو ہے۔ اور اس پر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابوہریرہؓ کے قول سے قرآن شریف کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف تو جابجا فرماتا ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ قیامت تک رہینگے۔ ان کا بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ اور ابوہریرہ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال بکلی ہوجائیگا۔ اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے۔ جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ ابوہریرہ کے قول کو ایک ردّی متاع کی طرح پھینک دے۔ پس یہ یقینی ہے کہ آیت زیر بحث میں موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے۔ نہ کہ عیسٰی کی طرف۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ موتہ کی ضمیر عیسٰی کی طرف راجع نہیں ہوتی تو خواہ بہ کی ضمیر عیسٰی ہی کیطرف پھیر دی جائے۔ اور آیت کے کوئی سے بھی معنی کرلئے جاویں تو بھی اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ کہ مسیح زندہ ہے۔ وھوالمراد۔ تعجب ہے کہ جن آیتوں

کو ہم متشابہات ہی ملتے ہیں۔ اور گذشتہ مفسرین نے بھی ان کے معنوں میں ایک دوسرے سے بڑا اختلاف کیا ہے۔ ان پر ایسے اہم بالشان مسائل کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ اور محکمات کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ مگر معلوم رہے کہ یہ کن لوگوں کا کام ہے۔ سنیئے الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنہ۔ مگر آپ نے دیکھا کہ ہم نے تو بفضل خدا اس کے تشابہ کو بھی ایسا اڑا دیا ہے کہ اب یہ آیت محکمات میں سے بھی چوٹی کی آیتوں سے نظر آتی ہے۔ جس کی آنکھ ہو دیکھے۔

حدیث سے وفات مسیح کا ثبوت

مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نے یہ بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ قرآن شریف عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے مسئلہ کو دور سے ہی دھکے دے رہا ہے۔ اور گو آیت ومن اصدق من اللہ قیلا۔ اس بات کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتی کہ اس مسئلہ کے متعلق حدیث سے بھی گواہی تلاش کی جاوے تا شک کی کوئی گنجایش نہ رہے۔ سو واضح ہو کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا اعمار امتی ما بین ستین الی سبعین و اقلھم من یجوز ذالک (مشکوۃ ص ۱۹) یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوا کریں گی۔ اور بہت ہی تھوڑے ہوں گے جو اس سے تجاوز کریں گے۔ اب اگر مسیح کو ایک امتی تصور کیا جاوے جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے۔ تو اس صورت میں کیا یہ نہایت تعجب انگیز امر نہیں ہے کہ جس صورت میں بہت تھوڑے لوگوں نے ستر کی عمر سے تجاوز کرنا تھا مسیح کو دو ہزار سال سے بھی زیادہ کی عمر دی جاوے۔ پھر امام مسلم حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ ما من نفس منفوسۃ الیوم یاتی علیھا مائۃ سنۃ وھی یومئذ حیۃ یعنی تمام وہ

لوگ جو آج زندہ ہیں۔ وہ ایک سو سال گذرنے کے بعد زندہ نہ رہیں گے۔ یہ حدیث بڑی صفائی کے ساتھ مسیح پر فاتحہ خوانی کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسیح اب زندہ ہیں تو ضرور ہے کہ وہ نبی کریم کے وقت بھی زندہ ہوگا۔ اور اگر اس وقت زندہ تھا۔ تو وہ سو سال کے اندر اندر قبر میں جا اترا ہوگا۔ پھر اسی پر بس نہیں اور لیجئے۔ ایک موقع پر نبی کریمؐ نے فرمایا۔ ان عیسی ابن مریم عاش عشرین ومائۃ سنۃ (طبرانی عن فاطمہؓ) عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ یہ حدیث تو کسی شک و شبہ کی گنجائش چھوڑتی ہی نہیں۔ بلکہ مسیح کی عمر کی تعیین کر کے صاف طور پر انکی موت پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اس بحث کو آگے چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہنے دیتی مگر ہمارا مطلب تو محض الوسع تسلی کرانا ہے اس لئے اور لیجئے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶) "اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا" سبحان اللہ اس حدیث نے تو صفائی کر دی۔ مسیح کی وفات پر ہزار سورج چڑھا دیا اور اس مسئلہ کے کسی پہلو سے دور گوشہ میں بھی تاریکی کو نہیں رہنے دیا لیکن اسی پر بس نہیں۔ معراج کی حدیث میں (بخاری و مسلم) نبی کریمؐ نے بیان فرمایا کہ جب میں دوسرے آسمان پر گیا۔ تو میں نے وہاں یحییٰ اور عیسیٰ کو دیکھا۔ اب یہ مسلم امر ہے کہ حضرت یحییٰ فوت ہو چکے ہیں۔ اور انکی روح اس جسم عنصری سے الگ ہو چکی ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ مسیح بھی فوت شدہ ہیں۔ کیونکہ مردوں میں وہی ہوتا ہے جو کہ مردہ ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ مردوں کے اندر ایک زندہ کو رکھ دیا جائے۔ آپ نے دیکھا کہ کس صفائی کے ساتھ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ مسیح کو مردہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ کہ قرآن شریف نے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ مسیح آسمان پر نہیں اٹھایا

گیا بلکہ اس کا رفع انہی معنوں میں ہوا جن معنوں میں تمام نیکوکاروں کا وفات کے بعد رفع ہوتا ہے۔ پھر یہی نہیں مسیح کے اپنے منہ سے اقرار کروا دیا کہ کیا ہوا مجھے خواہ مخواہ زندہ کہوں ان سے ہو میں تو اپنی اُمت کے بگڑنے سے پہلے کا فوت ہو چکا ہوں پھر اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ فرما دیا۔ کہ دیکھو جسقدر نبی آنحضرتؐ سے پہلے گذرے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر حدیث مسیح کی عمر بتا رہی ہے۔ کہ ایک سو بیس سال ہو گی اور پھر صاف الفاظ میں کہہ رہی ہے۔ کہ اگر عیسیٰ اور موسیٰ زندہ ہوتے۔ تو وہ بھی نبی کریمؐ کی اتباع کرتے۔ ان صاف دلیلوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی اپنی ضد کو نہیں چھوڑتا تو اس کا اختیار ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے اتمام حجت کر دیا اب اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

باب سوم

مُردے زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس نہیں آتے

بعض لوگ جب مسیح کی وفات کا ذکر کھلا کھلا قرآن شریف اور احادیث میں پاتے ہیں۔ تو پھر وہ یہ پہلو اختیار کرتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مسیح فوت ہو گیا۔ خدا اس کو زندہ کرکے دنیا میں دوبارہ لے آئیگا۔ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہئے کہ مُردوں کا زندہ ہو کر اس دُنیا میں آجانا اسلامی تعلیم اور سنت الٰہیہ کے سراسر خلاف ہے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:-

ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون (مومنون ع ۱)

"تم پیدا کئے جانے کے بعد پھر فوت ہو گے۔ اور پھر قیامت کے دن پھر دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کا وقت قیامت کا ہی دن ہے۔ اور پھر فرمایا۔ ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون (سورۃ مؤمنون رکوع ۶) یعنی جو آدمی مرجاتے ہیں ان اور اس دُنیا کے درمیان ایک روک ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن تک"۔ اس آیت نے وضاحت کیساتھ اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ جو شخص مرجاتا ہے۔ وہ قیامت کو ہی زندہ کیا جائیگا۔ قیامت کے پہلے اُس کے اور اس دُنیا کے درمیان اللہ تعالیٰ نے روک رکھدی ہے۔ جو صرف قیامت کو اُٹھائی جاویگی۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے وحرام علیٰ قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون (سورۃ انبیاء رکوع ۷) یعنی جن لوگوں کو ہم مار دیتے ہیں۔ ان پر حرام ہے۔ کہ وہ واپس لوٹیں"۔ پھر نبی کریم کی ایک حدیث ہے۔ جو اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں جب جابر رضہ کے والد شہید ہوئے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا۔ کہ جو مانگو میں تم کو دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ مجھ کو پھر زندہ کیا جاوے۔ تا میں اسلام کے راستہ میں پھر لڑوں اور اپنی جان دوں۔ خدا نے جواب دیا۔ سبق القول منی انھم لا یرجعون (ترمذی عن جابرؓ) ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ میں پہلے سے فیصلہ کر چکا ہوں کہ جو مرجاتے ہیں۔ وہ پھر اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ اس حدیث کے بعد میرے خیال میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں رہتی مگر آپ نے

* اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ خدا نے خود کہا کہ کچھ مانگو اور پھر مانگنے والا بھی شہید۔ مگر چونکہ خدا کے صریح فیصلہ کے خلاف تھا۔ اسلئے نفی میں جواب ملا۔ (منہ)

کریں گے کہ ہمارے مولوی ہیں کہ خدا تو الگ رہا مسیح کیطرف حقیقی مردوں کا اسی دنیا میں زندہ کرنا منسوب کر رہے ہیں۔ حالانکہ جن معنوں میں مسیحؑ نے مردے زندہ کئے ان معنوں میں تو سب نبی مردے زندہ کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے زیادہ مردے زندہ کئے۔ اصل میں مشکل یہ ہوتی ہے کہ کم علمی کیوجہ سے لوگ ہر لفظ کے ظاہری معنوں پر جم جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض وقت ایک لفظ استعارہ اور مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے من کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۸) یعنی "جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہو گا" اس جگہ سب کو اتفاق ہے۔ کہ اندھے سے روحانی اندھا مراد ہے۔ نہ کہ جسمانی۔ مگر معلوم نہیں کہ مسیح کے معاملہ میں مردہ سے کیوں روحانی مردہ نہیں مراد لیا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (سورۃ انفال رکوع ۳) یعنی "اے مومنو! تم اللہ کی بات مان لیا کرو۔ اور رسول کی جب وہ تم کو بلائے۔ کیونکہ وہ تم کو زندہ کرتا ہے" دیکھئے نبی کریمؐ کے متعلق کیسا صاف زندہ کرنے کا لفظ آیا۔ مگر یہاں ہمارے مخالف بھی روحانی زندگی مراد لیتے ہیں۔ لیکن جب عیسٰیؑ کے متعلق اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں تو وہاں حقیقی مردوں کا زندہ کرنا مراد لے لیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس!

ہمارے مخالف جب اس بات میں بھی تنگ آ جاتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف مُردوں کا اسی دنیا میں زندہ ہو جانے کو ممتنع قرار دیدیتا ہے۔ تو پھر کہتے ہیں کہ کیا خدا قادر نہیں۔ کہ مسیح اگر مر بھی گیا ہے۔ تو اس کو زندہ کرکے اس دنیا میں لے آئے۔ دیکھئے اب یہ بھی کوئی دلیل ہے۔ کون انکار کرتا ہے۔ کہ خدا قادر نہیں ہے

بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں میں سے نبی کریم صلعم کے خلفاء بنائیگا۔ جس طرح اس نے موسوی سلسلہ میں بنی اسرائیل سے موسیٰ کے خلیفے بنائے۔ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بیسیوں خلفاء بھیجے جو توریت کی خدمت کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کو سچائی کے راستوں میں قائم رکھتے تھے۔ یہ سلسلہ خلفاء کا مسیح ناصری کے وجود میں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچا۔ مسلمانوں کے ساتھ اسی قسم کے خلفاء کے سلسلہ کا وعدہ دیا گیا۔ اور ٹھیک جس طرح موسوی سلسلہ کا آخری خلیفہ اسرائیلی مسیح ہوا۔ اسی طرح یہ الٰہی فیصلہ تھا کہ آخری ایام میں مسلمانوں کے درمیان ایک مسیح بھیجا جاوے گا۔ جو اسلامی سلسلہ خلفاء کے دائرہ کو پورا کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا ہوگا۔ آیت مندرجہ بالا ہم کو بتاتی ہے۔ کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت ہے۔ جیسا کہ لفظ کما سے ظاہر ہے۔ اب اگر محمدی سلسلہ کا مسیح موسوی سلسلہ کے مسیح سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ بلکہ وہی ہے تو مشابہت باطل ٹھیرتی ہے۔ کیونکہ مشابہت مغائرت کو چاہتی ہے۔ یعنی یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ مشبہ اور مشبہ بہ دو مختلف چیزیں ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ محمدی مسیح موسوی مسیح سے الگ شخصیت رکھتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ گو دونوں سلسلوں میں مشابہت عام طور پر بھی ہونی ضروری ہے۔ مگر ان دونوں کے اول اور آخر میں آپسمیں مشابہت تو نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ اول اور آخر ہی سلسلہ کی تعیین کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب ہم دونوں سلسلوں کے اول یعنی موسیٰ اور آنحضرت علیہما السلام کے درمیان مشابہت کو قبول کرتے ہیں۔ تو ان کے آخر میں بھی مشابہت ضرور ماننی پڑتی ہے۔ اور جب مشابہت ہوئی تو مغائرت لازمی طور پر پائی جائیگی

وہ اس کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منکم کا لفظ رکھ کر سارے جھگڑے
جڑ کاٹ دی ہے۔ اور صاف طور پر بتا دیا ہے کہ محمدی سلسلہ کے خلفائے
مسلمانوں میں سے ہی ہونگے۔ یہ مقام آنکھیں بند کر کے گذر جانے والا نہیں ہے۔
آپ اچھی طرح غور فرمالیں۔ کہ مسلمانوں سے اللہ تعالےٰ کا حتمی وعدہ ہے۔ کہ
طرح موسےٰ کے بعد توریت کی خدمت کیلئے خلفاء مبعوث کئے گئے اسی طرح نبی
سلم کے بعد قرآن اور اسلام کی خدمت کیلئے خلفاء بھیجے جائیں گے۔ اور یہ خلفا
مسلمانوں میں سے ہی ہوں گے۔ تو اب پھر یہ کسقدر ظلم ہے کہ اپنی ضد پوری کرنے
کے لئے محمدی سلسلہ کا آخری اور سب سے عالی شان خلیفہ بنی اسرائیل میں سے
تجویز کیا جائے۔ اور اس طرح خدا کے وعدے کو جو اس نے منکم کے لفظ میں
ہے۔ ردی کیطرح پھینک دیا جائے۔ جس شخص کے دل میں ذرا بھی ایمان ہو
کبھی بھی اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ خدا تو صاف الفاظ میں فرمارہا ہے۔
دیکھو مسلمانوں میں تمہارے اندر اسلام کی خدمت کیلئے جو خلیفے بھیجوں گا وہ تم
میں سے ہی ہوں گے۔ لیکن ہمارے مولویوں کے دل مسیح ناصری کی محبت میں ایسے
عشق کے مقام تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ خدا کے صریح وعدہ کے خلاف خواہ مخواہ اپنی
اصلاح کیلئے نبی اسرائیل کے قدموں پر گر رہے ہیں۔ خدا ان کو اٹھانا چاہتا ہے
اور ان کی عزت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور ان پر انعام کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اپنی
ذلت چاہ رہے ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ دیکھو میں تم پر انعام کرتا ہوں۔ کہ تمہارے اندر
خلفاء تم میں سے ہی بھیجے جائیں گے۔ مگر مسلمان ہیں کہ چھوٹے موٹے خلفاء کی
نسبت تو مانتے ہیں کہ اسی امت میں سے ہی ہوں گے۔ مگر جب آخری اور
عظیم الشان خلیفے کا سوال آتا ہے تو اس وقت بنی اسرائیل کی طرف دیکھنے لگ جاتے

ہیں۔ خدا اس قوم پر رحم کرے۔ یہ کہاں آگر گری۔ قرآن خیر الامم مسلمانوں کو قرار دے رہا ہے۔ مگر مسلمان یہ تو ایمان رکھتے ہیں کہ یہود بننے کے لئے ہم ہی ہیں۔ مگر مسیح کو بنی اسرائیل سے لاتے ہیں۔ ہائے افسوس! کیا مسلمانوں کے حصہ میں یہودیت ہی رہ گئی ہے۔ اور مسیح باہر سے آئیگا۔

مسیح ناصری دوبارہ نازل نہیں ہونگے

پھر آیت فلمّا توفیتنی (سورہ مایدہ ۱۶) جو وفات مسیح کے ثبوت میں درج کی جا چکی ہے۔ وہ اس مسئلہ میں بھی بطور ثبوت پیش کی جا سکتی ہے کیونکہ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ فلما توفیتنی کے یہ معنی ہیں۔ کہ جب تو نے مجھے پورا اٹھا لیا۔ اور پھر ہم بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ اٹھا لینے سے آسمان ہی کی طرف اٹھا لینا مراد ہے۔ پھر بھی یہ آیت اس بات پر قطعی ثبوت ہے کہ مسیح آسمان سے نازل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بہر حال مسلم ہے کہ حضرت عیسٰی قیامت کے دن اپنی امت کے بگڑ جانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے وہ اپنی امت کو فساد کی حالت میں کبھی نہیں دیکھینگے یعنی یہ ان کو کبھی علم نہیں ہوگا۔ کہ میری امت نے مجھے معبود بنا لیا۔ لیکن ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اگر مسیح ناصری ہی آخری دنوں میں نازل ہوں تو یہ یقینی ہے کہ ان کو اپنی امت کے بگڑ جانے کا علم ہو جائیگا۔ خصوصاً جب مسیح موعود کا بڑا کام ہی کسر صلیب ہے۔ تو اس صورت میں لاعلمی کا اظہار کیسا؟ لہذا یہ ثابت ہوا۔ کہ اگر بفرض محال مسیح آسمان پر تشریف بھی لے گئے ہیں۔ تو پھر بھی آنیوالا مسیح یقیناً اور ہے۔ اور مسیح ناصری صاحب بھی آسمان پر کسی جگہ فوت ہو کر دفن کر دئیے گئے ہوں گے کیونکہ بہر حال ان کا آسمان پر ہونا ان کو موت سے تو نہیں بچا سکتا۔ ملاحظہ ہو کل نفس ذائقۃ الموت۔ نیز این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ ۔

حدیث صاف طور پر بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا

پھر قرآن شریف ہی نہیں بلکہ حدیث بھی صاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی امت مرحومہ میں سے ہے۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم (بخاری کتاب بدء الخلق) کیا ہی اچھا حال ہوگا تمہارا اے مسلمانو! جب مسیح ابن مریم تم میں نازل یعنے ظاہر ہوں گے۔ اور وہ امام ہوں گے تمہارے تمہیں میں سے۔ یہ حدیث صاف اور غیر تاویل طلب الفاظ میں بتا رہی ہے کہ مسیح موعود مسلمانوں میں سے ہی ایک فرد ہوگا۔ جو مسلمانوں کا امام ہوگا۔ جیسا کہ امامکم منکم کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں۔

لے بعض لوگ اس حدیث کے ایسے غلط معنی کرتے ہیں۔ کہ ہنسی آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ الفاظ و امامکم منکم مسیح کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مہدی کے متعلق ہیں۔ جو مسیح کے زمانہ میں مبعوث ہوگا۔ اور مسلمانوں کا امام ہوگا۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ ہم نے یہ حدیث صحیح بخاری سے لی ہے جس میں مہدی کے ظہور کا کوئی باب ہی نہیں باندھا گیا جسکی وجہ یہ ہے کہ مہدی کے متعلق احادیث میں ایسی گڑبڑ ہے کہ کسی حدیث کے متعلق کامل وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح ہے۔ تو اب اگر اس حدیث میں امامکم منکم کے الفاظ مہدی کے بارہ میں ہوتے تو امام بخاری صاحب جو محدثین کے مسلمہ امام ہیں وہ مہدی کا باب باندھ کر اس حدیث کو مہدی کے نزول کے ضمن میں بھی بیان کرتے۔ لیکن وہ یہ حدیث صرف مسیح کے متعلق لائے ہیں۔ اور مہدی کا ذکر تک نہیں کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے کبھی شکی طور پر بھی امامکم منکم کا اشارہ مہدی کی طرف نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا سمجھتے تو وہ اس صحیح حدیث کو مہدی کے نزول کے ثبوت میں پیش کرتے۔ یہی حال امام مسلم کا ہے۔ بلکہ امام مسلم نے امامکم کی جگہ امکم کی روایت بیان کر کے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ منہ۔

ہوا۔ بیشک آنے والے کو ابن مریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر منکم کا لفظ بلند آواز سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ ابن مریم وہ نہیں جو پہلے ہو گذرا۔ بلکہ یہ اے مسلمانو تم میں سے ہی ایک شخص ہوگا۔ اگر موعود مسیح گذشتہ مسیح ناصری ہی ہے۔ تو منکم کے کیا معنے ہوئے؟ خدارا آپ ٹھنڈے دل سے غور فرماویں۔ کہ کیا منکم کا لفظ مسیح ناصری کے متعلق ساری امیدوں پر پانی نہیں پھیر دیتا؟ یہ میں آگے چلکر بتاؤنگا کہ مسیح ابن مریم کے الفاظ استعمال کرنے میں کیا بھید تھا۔ مگر فی الحال آپ اتنا دیکھیں کہ کیا منکم کے لفظ نے اسرائیلی مسیح کی آمد کے عقیدہ کو جڑ سے کاٹ کر نہیں رکھدیا۔ میں تعجب اور حیرت کے دریا میں غرق ہو جاتا ہوں۔ جب یہ کہتا ہوں کہ لوگ تو بھلائی کو اپنی طرف منسوب کرنے کے اس قدر شائق ہوتے ہیں کہ جس چیز کا ان کو حق نہیں پہنچتا۔ اسے بھی اپنی طرف منسوب کرنے سے نہیں رکتے۔ مگر یہ قوم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نعمت عطا ہوئی ہے۔ اس کو بھی اپنی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتی۔ خاتم النبیین خبر دے رہا ہے۔ کہ اے مسلمانو! تم میں ایک مسیح ظاہر ہوگا جو تمہیں میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ مگر مسلمان کہتے ہیں۔ کہ بھلا یہ نعمت اس امت کو کہاں نصیب ہوگی۔ میں ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ پھر اس حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالیں۔ جو یہ ہیں:-

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم کیا ہی خوش حال ہوگا تمہارا اے مسلمانو جب مسیح ابن مریم تم میں ظاہر ہوں گے۔ اور وہ تمہیں میں سے تمہارے امام ہوں گے۔ غور فرمائیے۔ کس طرح نبی کریم اس خیال سے خوشی میں مست ہوئے جا رہے ہیں۔ کہ میری امت میں سے ایک اتنا عظیم الشان انسان ظاہر ہوگا۔ انصاف کا مقام ہے۔ اسرائیلی مسیح کے آنے میں اس امت

مرحومہ کیلئے کونسی خوشی کی ہے۔ وہ تو اس امت کیلئے ماتم کا دن ہوگا۔ جبکہ اس کی اصلاح کیلئے کسی بیرونی آدمی کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ نبی کریمؐ کی قوت قدسیہ اس امت میں سے کسی مصلح کو پیدا نہیں کر سکی۔ کیا نبی کریمؐ اس بات پر خوشی منا رہے ہیں۔ کہ جب میری امت میں فساد برپا ہوگا۔ تو میری امت کے اندر کوئی شخص اس قابل نہ ہوگا کہ اصلاح کا کام کر سکے۔ بلکہ خدا کو ضرورت پیش آئے گی۔ کہ اسرائیلی مسیح کو نازل کرے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو موجود ہیں

غرض مسیح موعود کے متعلق اماماکم منکم کے الفاظ فرما کر نبی کریمؐ نے سارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی مگر آپ کی شفقت کو دیکھئے کہ باوجود صاف لفظوں میں بتا دینے کے کہ مسیح موعود میری امت میں سے ہوگا۔ آپ اس مسئلہ پر خاموش نہیں ہوئے بلکہ مزید تشریح فرمائی تا مسیح ناصری کے متعلق مسلمانوں کے دلوں سے بالکل خیال نکال دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ رأیت عیسیٰ و موسیٰ و ابراھیم فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض الصدر واما موسیٰ فادم جسیم سبط کانہ من رجال الزط واما ابراھیم فانظروا الی صاحبکم (صحیح بخاری) میں نے عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا کشف میں۔ عیسیٰ جو تھے تو سرخ رنگ کے تھے۔ اور ان کے بال گھنگرالے تھے۔ اور ان کا سینہ چوڑا تھا۔ موسیٰ گندم گوں رنگ کے تھے۔ اور بھاری جسم کے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی قبیلہ زط سے آدمی ہو۔ اور ابراہیمؑ دیکھنا ہو تو بس مجھے دیکھ لو۔ اس حدیث میں نبی کریمؐ نے عیسیٰ بن مریم کا حلیہ بیان فرمایا ہے جو یہ ہے۔ کہ عیسیٰ بن مریم سرخ رنگ کے تھے۔ اور ان کے بال گھنگرالے

تھے اس بات کا ثبوت کہ یہاں عیسےٰ سے گذشتہ مراد ہیں خود اس حدیث میں موجود ہے اور وہ یہ کہ انکو گذشتہ انبیا رموسیٰ اور ابراہیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے براہ مہربانی آپ ذرا حضرت عیسےٰ کے اس حلیہ کو خوب یاد رکھیں۔ پھر ایک دوسری حدیث میں بنی کریمؐ فرماتے ہیں۔ بینما انا نائم اطوف بالکعبۃ فاذا رجل آدم سبط الشعر فقلت من ھذا فقالوا ھذا المسیح بن مریم (صحیح بخاری)

"میں نے خواب میں کعبہ کا طواف کیا اچانک میں نے ایک آدمی دیکھا جس کا رنگ گندم گون تھا۔ اور اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مسیح ابن مریم ہے"

دیکھئے اس حدیث میں بنی کریمؐ آنے والے مسیح کا حلیہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ گندم گون ہے۔ اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں مسیح سے مراد آنیوالا مسیح ہے۔ خود اسی حدیث میں موجود ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں آگے چل کر بنی کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت دجال کو بھی دیکھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ مسیح وہ ہے جو دجال کے مقابل پر ظاہر ہوگا۔ اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ ان کا رنگ سرخ تھا۔ اور بال گھنگرالے۔ لیکن آنے والا مسیح جو دجال کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اس کا رنگ گندم گوں ہے۔ اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ دونوں حلیوں میں فرق ظاہر ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ کہاں سرخ رنگ اور کہاں گندم گوں۔ پھر کہاں گھنگرالے بال اور کہاں سیدھے۔ دیکھئے کسطرح بنی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفائی کے ساتھ بتادیا کہ ابن مریم کے لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسرائیلی مسیح ہی تم میں نازل ہوں گے کیونکہ ان کا رنگ سرخ تھا۔ اور بال گھنگرالے تھے لیکن آنے والے مسیح کا رنگ گندم

گوں ہو گا۔ اور بال گھنگرالے نہیں ہوں گے۔ بلکہ سیدھے اور لمبے ہوں گے۔ اس سے زیادہ وضاحت کیا ہو گی۔ دونوں مسیحوں کی تصویر ناظرین کے سامنے رکھدی گئی ہے اور تصویر بھی نبی کریم کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کریں۔ کہ کیا دونوں تصویروں میں ایک شخص کی صورت نظر آرہی ہے۔ جس کو خدا نے آنکھیں دی ہیں وہ تو دونوں کو ایک نہیں کہہ سکتا۔ سنئے حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں :-

موعودم وبحلیۂ ماثور آمدم
حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است
زانساں کہ آمد است در اخبار سرورم

ایں مقدمم نہ جائے شکوک است والتباس

سید جدا کند ز مسیحائے احمرم

لفظ نزول پر بحث باب اول میں کی جا چکی ہے۔ اس جگہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

آیت انہ لعلم للساعۃ پر ایک سرسری نظر

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مختصر سا نوٹ آیت انہ لعلم للساعۃ پر لکھنا گو غیر ضروری تھا پر بھی خالی از فائدہ نہ ہو گا۔

کیونکہ اور سب طرف سے امید منقطع دیکھ کر بعض اوقات ہمارے مخالف مولوی اس آیت سے مسیح ناصری کی قرب قیامت میں آمد نکالا کرتے ہیں۔ مگر ابھی آپ دیکھیں گے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کچھ ہو تو ہو۔ مگر یہ آیت ان کے مطلب کیلئے اتنا کام بھی نہیں دیتی۔ اوّل تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا اس آیت کے معنوں پر سب مفسرین کو اتفاق ہے۔ کیا سب لازماً اس سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ مسیح قرب قیامت میں نازل ہو گا سنئے اس آیت میں بہت مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ انہ میں ضمیر

قرآن شریف کی طرف جاتی ہے۔ نہ کہ عیسےٰ کی طرف یعنی آیت کے اصل معنی یہ ہیں
کہ قرآن شریف میں قیامت کی دلیل ہے۔ کیونکہ جس سورۃ میں یہ آیت واقع ہوئی ہے
یعنی سورۃ زخرف۔ اس میں قرآن شریف کا بہت ذکر ہے۔ اور کئی دفعہ انہ کا لفظ
استعمال کر کے قرآن شریف کی طرف ضمیر پھیری گئی ہے۔ اسی واسطے بہت مفسرین نے
اس کو قرآن شریف ہی کی طرف راجع مانا ہے۔ ہاں بعض نے انہ کی ضمیر بے شک
عیسےٰ کی طرف پھیری ہے لیکن ایسے مفسرین سے بھی آگے دو گروہ ہو جاتے ہیں بعض
تو آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ عیسےٰ قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ قیامت کے قریب
نازل ہوں گے مگر بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ عیسےٰ قیامت کی ایک دلیل ہیں گذشتہ
مفسرین تو الگ رہے خود اس زمانہ کے بعض غیر احمدی علماء یہ معنی کرتے ہیں۔ مولوی
نذیر احمد صاحب دہلوی ہی کا ترجمہ لیجئے۔ مولوی صاحب اس آیت کے ٹھیک
وہی معنی کرتے ہیں۔ جو اوپر درج کئے گئے یعنی عیسےٰ بھی قیامت کی ایک دلیل ہیں
اور پھر اس پر ایک نوٹ لکھتے ہیں۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے "یعنی جو خدا عیسےٰ علیہ السلام
کو بے باپ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت میں مردوں
کو جلا اٹھائے۔ یا یہ مطلب ہو کہ حضرت عیسےٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا قرب قیامت
کی دلیل ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے"۔ دیکھئے اس جگہ مولوی نذیر احمد صاحب
آیت کے اصل معنی یہی سمجھتے ہیں۔ کہ مسیح کی معجزانہ پیدائش قیامت پر ایک دلیل ہے اور
گو انہوں نے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں۔ مگر پہلے انہی معنوں کو رکھا ہے جس سے
ظاہر ہے۔ کہ ان کے نزدیک زیادہ قابل قبول یہی معنے تھے۔ پھر بعض مفسرین نے
انہ میں ضمیر کو محمد رسول اللہ کی طرف پھیرا ہے۔ ان حالات کے ماتحت آپ خود
غور فرماویں کہ کیا یہ آیت ایسے عظیم الشان مسئلہ کیلئے بنیادی پتھر تصور کی جا سکتی

ہے۔ کیا آپ کا نور قلب اس بات کے قبول کرنے کو تیار ہے کہ مسیح کی آمد ثانی
کے مسئلہ کا ایک ایسی آیت پر مدار ہو جس میں اکثر مفسرین کے نزدیک مسیح کا کوئی ذکر تک
نہیں بلکہ ضمیر قرآن شریف کی طرف پھرتی ہو۔ اور پھر ایک دوسرا گروہ کے نزدیک
بھی آیت میں مسیح کا ذکر تک نہ ہو۔ بلکہ ضمیر محمد رسول اللہ کی طرف راجع ہوتی ہو اور
صرف ایک قلیل گروہ کے خیال میں ضمیر علیٰ کی طرف پھرتی سمجھی جاوے لیکن اس خیال
کے مفسرین بھی آپس میں دست بگریباں ہوں۔ کوئی کہتا ہو کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ مسیح
بوجہ اپنی معجزانہ اور خارق عادت پیدائش کے قیامت پر ایک دلیل تھے۔ اور کوئی
کہے کہ نہیں بلکہ وہ قرب قیامت میں نازل ہوں گے۔ اس لئے ان کو قیامت کی
دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ دہلی میں مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی نے حضرت
مرزا صاحب کے سامنے یہی آیت پیش کی تھی۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے جو جواب
دیا وہ یہ ہے۔ "چوتھی دلیل آپ نے پیش کی ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ و
انہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں۔ کہ یہ آیت
آپ کے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے لیکن میں آپ کو محض للہ یاد دلاتا
ہوں۔ کہ اس آیت کو حضرت مسیح کے دوبارہ نزول سے کسی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں
بات یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو
قیامت سے منکر تھے۔ پہلی کتابوں میں بطور پیشین گوئی کے لکھا گیا تھا۔ کہ ان کو
سمجھانے کیلئے مسیح کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی۔ اور یہ ان کے لئے ایک نشان
قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ ولنجعلہ
آیۃ للناس اس جگہ الناس سے مراد یہی صدوقی فرقہ ہے۔ جو اس زمانہ میں بکثرت
موجود تھا چونکہ توریت میں قیامت کا ذکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا ہے

یہ فرقہ مردوں کے جی اُٹھنے سے بکلی منکر ہو گیا تھا۔ اب تک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیح اپنی ولادت کی رو سے بطور علم الساعۃ کے اُن کے لئے آیا تھا۔ اب دیکھیئے اس آیت کو نزول مسیح سے تعلق کیا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے۔ کہ مفسرین نے کسقدر جدا جدا طور پر اس کے معنی لکھے ہیں ایک جماعت نے قرآن کریم کی طرف ضمیر انہ کی پھیر دی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سے روحانی طور پر مردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیح مراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کیلئے جو آنحضرت صلعم کے عہد میں تھے۔ نشان قیامت ٹھیرایا جائے۔ تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہو گا۔ اور جن کو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیح آخری زمانہ میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا۔ تم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں۔ کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں۔ پھر یہ کہنا کسقدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ شک مت کرو۔ ہم نے دلیل قیامت کے آنیکی بیان کر دی"۔ آپ غور فرماویں کہ واقعی یہ کس قدر ہنسی کے قابل بات ہے۔ کہ جو چیز آئندہ کسی زمانہ میں ہونی ہے۔ اس کو ان لوگوں کیلئے دلیل ٹھیرایا جاوے جواب موجود ہیں مسیح نے تو آئندہ کبھی جا کر نازل ہونا تھا لیکن اس کے نزول کو نبی کریم کے زمانہ کے منکرین قیامت کے سامنے بطور دلیل کے پیش کیا جا رہا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر ہمارے مخالف مولویوں کے معنی قبول کئے جاویں۔ تو نعوذ باللہ قرآن شریف دلائل کی رو سے ایک نہایت بودی کتاب نظر آتی ہے۔ غور تو کیجیئے۔ کہ نبی کریم کے مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو مسیح کا دوبارہ قرب قیامت میں نازل ہونا قیامت کی ایک دلیل ہے۔ پس تم قیامت کے متعلق کسی شک میں نہ پڑو۔ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کمزور دلیل ہو گی۔ موجودہ لوگوں کیلئے

تو جو چیز واقع ہو چکی ہو۔ یا انکی زندگی میں واقع ہو جانے والی ہو۔ اس کو کسی آئیندہ واقع ہونے والی چیز کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ دلیل عجیب ہے کہ دیکھو تمہارے مرنے کے بعد مسیح آخری دنوں میں نازل ہوگا۔ پس اس لئے تم قیامت کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی طرف ایسی لغو اور بیہودہ دلائل منسوب کرنا میرے خیال میں معصیت میں داخل ہے۔ مگر چودہویں صدی کے مولویوں کو کون سمجھاوے۔ مولویوں کے نام سے مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ سنائے دیتا ہوں۔ ایک مشہور غیر احمدی مولوی سے کسی نے دریافت کیا۔ کہ عیسائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ تاریخی طور پر نبی اسلام کا نام تو احمدؐ ثابت نہیں ہوتا یعنی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ نبی اسلام کے بزرگوں کیطرف سے ان کا نام احمد رکھا گیا ہو۔ یا دعوے سے پہلے ان کو کبھی اس نام سے پکارا گیا ہو۔ بلکہ ان کا نام محمد ہی تھا۔ اور احمدؐ نام کو تو انہوں نے دعوی نبوت کے بعد اپنی طرف منسوب کیا۔ تو اس صورت میں یہ کیس طرح مان لیا جاوے۔ کہ جو مسیح نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک احمد رسول ظاہر ہوگا وہ نبی اسلام ہی تھے۔ تو اس پر مولوی صاحب فوراً بولے۔ کہ یہ کیا بیہودہ اعتراض ہے۔ کہ جب نبی کریم نے فرما دیا۔ کہ وہ احمدؐ میں ہی ہوں۔ تو پھر اعتراض کیسا۔ سوال پوچھنے والا مولوی صاحب کیطرح عقل سے عاری نہ تھا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ بات کو آگے چلانا فائدہ مند نہ ہوگا۔ اجازت چاہی۔ اور سلام عرض کرکے سامنے سے اٹھ آیا۔ مولوی صاحب اپنے دل میں خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوں گے کہ آج تو وہ دلیل بیان کی کہ معترض کو سوائے خاموشی کے کچھ بن نہ آئی۔

باب پنجم

بعض شبہات کا ازالہ اور خاتمہ

اس قدر لکھنے کے بعد میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی ذرا ٹھیریئے۔ اور غور کیجیے کس طرح ہم نے قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ناصری آسمان کی طرف زندہ نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ ان کا انہی معنوں میں رفع ہوا۔ جن معنوں میں تمام مقربین بارگاہ الٰہی کا رفع ہوا کرتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ بھی روز روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ قرآن شریف اور احادیث پکار پکار کر گواہی دے رہے ہیں۔ کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا ہے۔ اور جو وفات پا جاتا ہے۔ سنت اللہ اس کے دوبارہ دنیا میں زندہ ہو کر آنے کو ممتنع قرار دیتی ہے پھر اتنی ہی بس نہیں۔ بلکہ کلام اللہ اور اقوال رسول اللہ سے صاف صاف آپ کو دکھا دیا گیا۔ کہ نبی کریم کے تمام خلفاء اسی اُمت مرحومہ میں سے ہونگے۔ بلکہ مسیح موعود کیلئے خصوصیت کیساتھ آپ کے الفاظ امامکم منکم نکال کر رکھ دئے گئے۔ اور بالآخر آپ کی کامل تسلی کیلئے ہم نے خاتم النبیین کے ہاتھ کے کھینچے ہوئے دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو آپ کے سامنے رکھ دئے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر میں تو اطرف پر صریح ظلم کرنے والا ہوں گا۔ اگر میں یہ خیال کروں کہ ان عظیم الشان شہادتوں کے ہوتے ہوئے ان کے دل میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال آسکتا ہے۔ کہ مسیح ناصری زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اور کسی زمانہ میں زمین پر نازل ہونگے

ہاں اب ان کے دل میں یہ غلجان ہونا ایک طبعی امر ہے۔ کہ جب قرآن شریف اور احادیث صحابہ کے اقوال اس صفائی سے مسیح پر فاتحہ خوانی کر رہے ہیں۔ تو تمام اُمت اتنی صدیوں سے مسیح کو کیوں زندہ مانتی چلی آئی ہے؟

حیات مسیح کے عقیدہ پر اُمت محمدیہ کا اجماع کبھی نہیں ہوا

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ تمام اُمت کا اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ سلف صالحین میں سے بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے مسیح ناصری کی وفات کا اقرار کیا ہے٭۔ کیا آپ کو یاد نہیں رہا۔ کہ سب سے پہلا اجماع جو آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہؓ کا ہوا وہ اسی بات پر تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے نبی ہوئے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر ابن عباسؓ نے متوفیک کے معنی ممیتک بیان کر کے اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا اور امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں درج کر کے اپنی مہر کر دی۔ پھر مجمع البحار میں لکھا ہے۔ والاکثر ان عیسیٰ علیہ السلام لم یمت وقال مالک مات یعنی اکثر کا خیال ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ پھر ابن حزم کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وتمسک ابن حزم بظاہر الآیۃ وقال بموتہ یعنی ابن حزم نے ظاہر آیت پر تمسک پکڑا ہے۔ اور مسیح کی وفات بیان کی ہے۔ پھر محی الدین ابن عربی تو فرماتے ہیں۔ کہ مسیح کا دوسرا نزول بروزی طور پر ہوگا یعنی مسیح خود نہیں آئیں گے۔ بلکہ ان کا کوئی بروز آئیگا۔ جو انکی خو بو پر ظاہر ہوگا مندرجہ مثالوں سے آپ پر یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ اُمت کا اس باطل مسئلہ پر

٭ یہ چند مثالیں صرف بڑے لوگوں کی بیان ہوئی ہیں۔ ان کے متبعین الگ رہے۔ منہ

اجماع رہا ہے۔ بلکہ خلاف اس کے اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے۔ تو وہ یہ ہے
کہ اگر امت کا کسی مسئلہ پر کبھی اجماع ہوا ہے۔ تو وہ وفات مسیح ہی کا مسئلہ ہے جیسا
کہ آنحضرت کی وفات کے بعد صحابہؓ کا ہوا۔ اور صحابہؓ کے زمانہ کے بعد تو امت محمدیہ
کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں میں پھیل گئی اسلئے صحابہؓ کے بعد کے زمانہ میں کسی
مسئلہ کے متعلق اجماع کا دعویٰ کر دینا تو آسان ہے۔ لیکن اس کو ثابت کرنا ناممکنات
سے ہے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں۔ کہ جو اجماع کا دعوے کرے وہ
جھوٹا ہے۔ ہاں یہ درست ہو کہ کئی صدیوں سے مسیح کی حیات کا مسئلہ عام طور پر
لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کسی غلط عقیدہ کا عام طور پر رائج ہو جانا
بعید از قیاس نہیں ہے۔ دیکھئے آجکل مسلمانوں کے کم از کم بہتّر فرقے ہو رہے ہیں اور
یہ ممکن نہیں کہ وہ سب اپنے عقاید میں درست ہوں۔ اگر درست ہیں۔ تو اختلاف
کیسا۔ اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ بعض غلط عقاید مسلمانوں کے اندر آگئے ہیں۔ آپ
مجھے بتائیں کہ وہ غلط عقاید کہاں سے آگئے۔ قرآن شریف اور حدیث نے تو
یقیناً صحیح عقاید ہی بیان کئے ہونگے۔ پھر ان کے ہوتے ہوئے ان کے خلاف
غلط عقاید کیسے درج ہو گئے؟ جو جواب آپ دیں گے۔ وہی میری طرف سے
سمجھ لیجئے۔ مگر میں صرف الزامی جواب دیکر آپ کو ساکت نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ
میرا منشا تو یہ ہے کہ کسی طرح آپ کی تسلّی ہو۔ اس لئے سنئے؟

حیات مسیح کا عقیدہ کسطرح مسلمانوں کے اندر آگیا

آپ کو یہ معلوم ہوگا۔ کہ جب اسلام کی فتوحات
کا زمانہ تھا۔ اس وقت عیسائی لوگ فوج در فوج
اسلام میں داخل ہوئے۔ اور یہ فطرتی تقاضا ہے
کہ انسان اپنے پرانے خیالات کو آہستہ آہستہ چھوڑتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک

مثل مشہور ہے کہ دام نکلتے نکلتے ہی نکلیگا۔ اور اللہ کا نام داخل ہوتے ہوتے ہی ہوگا
آپ انکی پر قیاس کر لیں۔ کہ یہ لوگ جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جوق در جوق
اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ وہ گو اسلام کی صداقت کو مان کر ہی مسلمان ہوتے تھے
لیکن طبعًا خیالات میں یکلخت پورا انقلاب ہونیکی وجہ سے وہ بہت سے عیسائی خیالات
اپنے ساتھ لاتے تھے۔ جن کا ایکدن میں دل سے نکل جانا ناممکن ہوتا تھا۔ ان لوگوں
کے دلوں سے مسیح ناصری کی بیجا محبت شرک کے مقام سے تو بیشک نیچے گر گئی تھی
لیکن ابھی تک کلّی طور پر دل سے نہیں نکلی تھی۔ اس لئے قرآن شریف اور احادیث
میں جہاں کہیں مسیح کا ذکر آتا ہے۔ وہاں طبعًا ان لوگوں نے کچھ حاشیے چڑھائے
اور مسلمان آہستہ آہستہ ان کے خیالات سے متاثر ہوتے گئے۔ جو جبتک صحابہؓ کا
ایک کثیر حصہ زندہ رہا۔ اس وقت تک تو ایسا اثر قطعًا ممکن نہ تھا۔ لیکن صحابہ رضہ
کے زمانہ کے بعد خود حدیثی مسلمان بھی ایک حد تک ان نومسلموں کے اثر کے نیچے
آگئے۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ بعض غلط عقاید مسلمانوں کے اندر رائج ہو گئے
بھلا آپ غور فرماویں کہ قرآن شریف میں مسیح ناصری کے متعلق آتا ہے کہ اس
نے مردہ زندہ کئے۔ اس کے صاف یہ معنے تھے۔ کہ وہ جو روحانی طور پر مردہ تھی
ان کے اندر اس نے زندگی کی روح پھونکی۔ جس طرح تمام نبیوں کا کام ہے۔ خود
محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔ کہ اے لوگو!
جب تم کو خدا کا رسول زندہ کرنے کے لئے بلائے۔ تو اس کی بات مان لیا کرو۔ مگر
باوجود اس کے مسیح کیلئے جب زندہ کرنے کے الفاظ آئے تو وہاں ان لوگوں نے حقیقی

ﻭ

مُردوں کو زندہ کرنا سمجھ لیا۔ اسی طرح قرآن میں جو کہیں مسیح کے متعلق خلق کا لفظ آ گیا۔ تو اس کو حقیقی طور پر خالق ہی مان لیا گیا۔ حالانکہ یہ الفاظ بطور استعارہ کے ہوتے ہیں۔ یہی حال اس مسئلہ میں ہوا۔ عیسائی مذہب میں پہلے سے ہی مسیح کی دوبارہ آمد کی خبر موجود تھی۔ جیسے تمام عیسائی لوگ خود مسیح کا دوبارہ آنا سمجھتے تھے۔ جب یہ لوگ اسلام کے اندر آئے تو انہوں نے اسلام میں بھی مسیح کی آمد کی خبر پائی۔ جس سے فوراً انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بھی خبر ہے۔ جو عیسائیت میں ہے۔ کہ مسیح دوبارہ آئیگا خیر سے آگے لفظ نزول کا بھی مل گیا بس پھر کیا تھا۔ اس خیال پر پختہ طور پر جم گئے۔ کہ اسرائیلی مسیح بذات خود آخری ایام میں نازل ہوں گے۔ مسیح کی محبت نے اس بات کی اجازت ہی نہیں دی کہ قرآن کھول کر ذرا غور تو کر لیں۔ کہ کہیں قرآن مسیح کو مار تو نہیں رہا۔ بعد میں جو لوگ آئے ان کی اتنی جرأت کہاں۔ کہ اسلاف کے خلاف کوئی کلمہ منہ پر لائیں۔ اندھا دھند اس عقیدہ کی تلقین کرتے آئے۔ کوئی کوئی ایسے نکلے جنہوں نے ذرا تکلیف کر کے قرآن اور احادیث صحیحہ پر نظر غائر ڈالی۔ تو دیکھا۔ کہ معاملہ تو کچھ اور ہے۔ عوام الناس کی مخالفت کی تاب نہ ہوئی۔ تو برملا کہا کہ عیسیٰ صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ ورنہ سینے ہی میں اپنی تحقیقات کو دبائے ہوئے اس جہان سے سدھار گئے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کے عقیدوں کو چھوڑنا عوام کیلئے نہایت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن کھول کر دیکھئے شروع سے ہی عوام کی یہی آواز رہی ہے۔ کہ بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا مگر خدا نے بھی خوب جواب دیا۔ کہ اولو کان اباؤھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون۔ ہمارا بھی یہی جواب ہے۔ مگر سننے والوں نے خدا کی نہیں سنی۔ تو ہم کس حساب میں۔

عیسیٰ ابن مریم کا نام استعمال کرنے میں حکمت

یہ مضمون نامکمل رہیگا اگر ہم آخر میں وہ وجہ نہ بتا دیں جس

وجہ سے نبی کریمؐ نے آنے والے کو مسیح ابن مریم کے نام سے یاد کیا۔ اس بات کو اچھی
طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ آیندہ مبعوث ہونے والے مامورین کے نام جو کسی نبی کے ذریعہ
بتلائے جاتے ہیں۔ وہ عام طور پر کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے
ہیں۔ اس لیئے ان کو ظاہر پر حمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ عام طور پر ان کا مطلب یہ
ہوتا ہے۔ کہ وہ آنے والے اور اس نام کے درمیان کسی گہرے تعلق کو ظاہر کریں مثلاً
بنی اسرائیل کو یہ وعدہ دیا گیا تھا۔ کہ مسیح کے ظہور سے پہلے ایلیا نبی کا نزول ہوگا۔ جنکی
نسبت عام عقیدہ یہ تھا۔ کہ وہ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ یہود نے ایلیا نبی کے
نزول سے یہ سمجھا کہ وہ ایلیا جو پہلا گذر چکا وہی بذات خود نازل ہوگا۔ اور اسکے
بعد مسیح آئیگا۔ اس لیئے جب عیسےٰ نے مسیحیت کا دعوےٰ کیا۔ تو یہود نے صاف انکار
کر دیا۔ اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ مسیح سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے
نازل ہوگا۔ لیکن چونکہ ابھی تک ایلیا نہیں آیا۔ اسلیئے عیسےٰ کا دعوےٰ سچا نہیں ہوسکتا
جسکا جواب عیسےٰ علیہ السلام نے یہ دیا۔ کہ ایلیا کی جو پیشگوئی کیگئی تھی۔ اس سے خود ایلیا
کا آنا مراد نہ تھا۔ بلکہ وہ ایسے نبی کی خبر تھی جو ایلیا کی خو بو پر آئیگا۔ اور وہ آچکا ہے
اور وہی یحییٰ ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ لیکن ظاہر پرست یہود اسی
بات پر جمے رہے کہ خود ایلیا کا دوبارہ آنا لکھا ہے۔ اس لیئے یحییٰ کا آنا اس کا
آنا نہیں ہوسکتا۔ اور اس طرح وہ نجات سے محروم ہوگئے۔ اس مثال سے یہ بات
اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں جو آیندہ مصلحوں کے نام بتائے جاتے
ہیں ان کو ہمیشہ ظاہر پر حمل کرنا سخت حماقت کی راہ ہے۔ جس سے ہر مومن کو پرہیز
لازم ہے۔ دیکھیے کہاں ایلیا نبی کا آنا۔ اور کہاں یحییٰ کا۔ مگر مسیح یحییٰ کو ہی ایلیا قرار
دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ایلیا کی خو بو پر ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح قرآن شریف

میں لکھا ہے کہ مسیح نے ایک رسول کی آمد کی خبر دی تھی۔ جس کا نام احمدؐ ہو گا۔ اب ہمارے تمام مخالفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ پیشگوئی نبی کریمؐ کے آنے سے پوری ہو چکی ہے۔ لیکن کیا نبی کریمؐ کا نام احمدؐ تھا۔ یہ درست ہے کہ نبی کریمؐ نے نبوت کے دعوے کے بعد یہ فرمایا کہ میں احمدؐ بھی ہوں لیکن دعوے کے بعد اس نام کو اپنی طرف منسوب کرنا مخالف پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔ مخالف پر تو تبھی حجت ہو جب یہ ثابت کیا جاوے کہ آپ کے بزرگوں کی طرف سے آپؐ کا یہ نام رکھا گیا تھا۔ یا یہ کہ دعوے سے پہلے آپ کبھی اس نام سے پکارے گئے۔ لیکن احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں۔ اس لئے سوائے اس کے اور کیا اس کا جواب ہو سکتا ہے۔ کہ آسمان پر آپؐ کا نام احمد تھا۔ جس طرح آسمان پر یحییٰ کا نام ایلیا تھا۔ ان دونوں مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں جو نام بتائے جاتے ہیں وہ لازماً ظاہر میں پائے جانے ضروری نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں۔[1] اب سوال ہوتا ہے کہ آنے والے مصلح کے متعلق مسیح ابن مریم وغیرہ نام استعمال کرنے میں کونسی مخفی حکمت ہے؟ اس کے جواب میں کئی باتیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ مگر سب کا درج کرنا موجب طوالت کا ہو گا۔ اس لئے چند موٹی موٹی حکمتوں کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آنیوالا مسیح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی خو بو پر آنا تھا جس طرح ایلیا نبی کی خو بو پر یحییٰ نبی آیا۔ حضرت عیسےٰ صلح کے شہزادہ تھے

---

[1] اس جگہ مجھے ایک لطیفہ سوجھا ہے۔ عرض کئے دیتا ہوں۔ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کا نام جو نبی کریمؐ نے لیا۔ تو اب یہ اس وقت تک اپنے اصل مفہوم میں سمجھا جائیگا جبتک کوئی صاف نص نہ ثابت کیا جاوے۔ اس کا اصل اور موٹا جواب تو یہی ہے کہ جب قرآن شریف صفائی کے ساتھ پہلے مسیح کو وفات یافتہ کہتا ہے۔ اور مردوں کو زندہ ہو کر اس دنیا میں آجانا بھی

انہوں نے تمام عمر صلح اور نرمی کے ساتھ اپنی رسالت کی تبلیغ کی اور اگر مخالفوں نے کبھی سختی بھی کی تو آپ نے صبر سے کام لیا۔ اور مقابلہ نہیں کیا۔ اسی طرح مسیح موعود نے آنا تھا۔ جیسا کہ نبی کریمؐ نے مسیح موعود کے متعلق فرمایا۔ یضع الحرب یعنی مسیح موعود جب ظاہر ہوگا۔ تو تلوار کے جہاد کو رد کردے گا۔ دوسری حکمت اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴

اسلامی تعلیم کے رو سے ممتنع ہے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر صارف کیا ہوگا۔ اس سے واضح تر قرینہ صارفہ تو خیال ہی نہیں آسکتا۔ لیکن مجھے خیال آیا کہ صارف ہم سے کیوں پوچھا جائے۔ صارف نکالنا غیر احمدیوں کا فرض ہے۔ کیونکہ خدا کو تو حقیقت اشیاء سے تعلق ہے۔ ان کے ظاہری ناموں سے تعلق نہیں ہے بے شک عرف کی خاطر ظاہری ناموں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر خدا اشیاء کی اصل حقیقت پر نظر رکھتا ہے۔ اور اس کی نظر میں اصل نام صفتی نام ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ ظاہری نام۔ مثلاً ایک غلام رسول نامی مسلمان اگر عیسائی ہو جائے۔ تو گو ہم تو عرف کی وجہ سے اسی نام سے پکاریں گے مگر خدا کی نظروں میں وہ اب بجائے غلام رسول کے عدو الرسول ہو چکا ہے۔ اس لئے خدا اسے عدو الرسول ہی کہیگا۔ اس لئے خدا جب ابن مریم کا نام استعمال کرتا ہے۔ تو وہ ظاہر طور پر اس نام سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔ بلکہ گذشتہ ابن مریم کے حالات نے چونکہ اس نام کے ایک معنی مخصوص کر دئے ہوئے ہیں۔ یعنی صلح سے کام کرنے والا اور ایک سلسلہ کا آخری خلیفہ جیسے رستم کی زندگی نے رستم نام کے معنے مخصوص کر دئے۔ اس لئے خدا اس نام کو اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرے گا۔ ورنہ صرف ابن مریم کا عرفی نام خدا کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ لہذا خدا کے کلام میں یقینی طور پر ابن مریم سے مراد گذشتہ ابن مریم کی طرح پر آنے والا انسان ہونا چاہئے۔ اور جب یہ بات ہے تو ہم سے صارف کا تقاضا کیسا؟!

کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے اصول کے مطابق اس نام کو اپنے اصل اور ظاہر اور حقیقی مفہوم میں

میں یہ تھی۔ کہ جس طرح مسیح ناصری موسوی سلسلہ کا خاتم الخلفاء تھا۔ اسی طرح آنے والا مسیح نبی کریم کا آخری خلیفہ ہوگا۔ اور خاتم الخلفاء کہلائیگا۔ مگر اس موقعہ پر آخری خلیفے سے آخری مستقل خلیفہ مراد ہے یعنی آیندہ جو خلیفے ہونگے وہ دراصل مسیح موعود کے خلیفے ہوں گے۔ اور اس کی وساطت سے نبی کریمؐ کے بھی خلیفے ہوں گے۔ کیونکہ محمدی سلسلہ قیامت تک چلیگا۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں عیسائیت بہت زور پکڑے گی۔ اور صلیبی مذہب بڑے غلبہ کی حالت میں ہوگا۔ اس لئے آنے والے مصلح کا ایک بڑا کام یہ بھی رکھا گیا کہ یکسر الصلیب یعنی مسیح موعود صلیبی مذہب کا زور توڑ دیگا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کسی نبی کی اُمت میں فساد برپا ہوتا ہے تو پھر اخلاقی طور پر اس نبی کا فرض ہوتا ہے۔ کہ اس فساد کو دور کرے۔ جس طرح کسی حکومت میں جو فساد ہو تو باہر کی حکومتوں کا فرض نہیں ہے کہ اس فساد کو دور کریں۔ بلکہ خود اسی حکومت کا فرض ہوتا ہے اب آخری زمانہ کیلئے یہ مقدر تھا کہ وہ سخت فساد کا زمانہ ہوگا۔ اور تمام اُمتوں میں فساد برپا ہو جائیگا۔ ایسے وقت کیلئے ضرورت تھی۔ کہ تمام اُمتوں کے بانیوں کے بروز ظاہر ہوتے۔ جو اس کام کو کرتے۔ لیکن اسلام کی آمد نے تمام روحانی پانی اپنے اندر کھینچ لیا ہے۔ اور اب کوئی مصلح اسلام کے سوا کسی اُمت میں ظاہر نہیں ہو سکتا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵

استعمال کیا۔ ہاں جو لوگ اس نام کو انکی قائم شدہ حقیقت سے ہٹا کر صرف ایک عرفی نام تجویز کرتے ہیں۔ وہ بے شک اسے حقیقت سے ہٹا کر مجاز کے رنگ میں لیتے ہیں۔ اسلئے انپر واجب ہے کہ اپنے معنوں کی تائید میں کوئی صارف پیش کریں۔ منہ۔

اس لئے تمام نبیوں کا بروز ایک وجود میں اسلام میں پیدا کیا جانا تھا۔ اور آنیوالے کا کام یہ رکھا گیا کہ تمام اُمتوں کی اصلاح کرے۔ تو گویا اس موعود مصلح کا کام دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک خود امت محمدیہ کی اصلاح۔ دوسرے باقی امتوں کی اصلاح۔ لیکن چونکہ باقی اُمتوں کی اصلاح کے کام میں سب سے بڑا کام عیسٰے کی اُمت کی اصلاح تھی۔ جیسا کہ الفاظ یکسر الصلیب سے ظاہر ہے اسلئے اس پہلو کے لحاظ سے آنے والے کو خصوصیت کے ساتھ عیسٰے بن مریم کا خطاب دیا گیا۔ اور دیگر امتوں کی اصلاح کے لحاظ سے آنے والے کو خصوصیت کے ساتھ عیسٰے بن مریم کا خطاب دیا گیا۔ اور دیگر امتوں کی اصلاح کے لحاظ سے صرف مجملاً واذالرسل اقتت کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ یعنی آخری زمانہ میں تمام رسولوں کے بروز جمع کئے جاویں گے۔ اس کے مقابل میں اُمت محمدیہ کی اصلاح کا کام بھی ایک خصوصیت کا کام تھا۔ اس لئے اس پہلو کے لحاظ سے آنے والا کا نام مہدی رکھا گیا۔ مطابق قول نبوی کے کہ الخلفاء الراشدین المھدیین کیونکہ اس موعود نے مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں نبی کریم کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تھا۔ عیسٰے بن مریم کے نام میں اور بھی بعض حکمتیں ہیں۔ مگر تسلی کے لئے اسی قدر کافی ہیں ÷

ہم نے لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک شخص کے ہی دو نام ہیں۔ اس پر طبعاً ناظرین کو خیال پیدا ہوگا۔ کہ ہم تو ان دونوں کو دو مختلف وجود سنتے اور کہتے چلے آئے ہیں یہ ایک کسطرح ہو سکتے ہیں۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ آخری زمانہ کے موعود کو دو مختلف حیثیتوں کیوجہ سے یہ دو مختلف نام دئے گئے ہیں۔ اس سے مراد نہیں کہ دو مختلف شخص ظاہر ہوں گے۔ اسلام دو خلیفوں کا ایک وقت میں قائل نہیں۔ بلکہ نبی کریم صلعم نے تو یہاں تک فرمایا

خاتمہ

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور خدا سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے فضل سے ناظرین کرام کے سینوں کو فراخ کرے۔ تا وہ اپنی غلطی کے اعتراف کرنے میں ضد سے کام نہ لیں۔ بلکہ حق کھل جانے پر اسے فوراً قبول کر لینے کو تیار ہوں۔ میں تو جب اس مسئلہ پر نظر ڈالتا ہوں تو محو حیرت ہو جاتا ہوں۔ کہ ایسا اور مسئلہ کسطرح مسلمانوں کے دل میں راسخ ہو گیا۔ مگر اب وقت ہے کہ ایسی باتوں سے اسلام کا دامن پاک کیا جاوے۔ جو صریح اسلامی تعلیم کے خلاف ہونے کے علاوہ نبی کریم کی سخت ہتک کا موجب ہو رہی ہیں۔ خدا مسلمانوں کی آنکھوں کو کھولے تا و

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷

کہ اگر کوئی شخص اس وقت خلافت کا دعوے کرے۔ جب پہلے ایک خلیفہ برحق موجود ہو۔ تو اس کا سر اڑا دو۔ ایسے حالات کے ماتحت یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں کے اندر ایک ہی وقت میں دو خلیفے ہوں گے۔ اصل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے کو دو مختلف کاموں اور حیثیتوں کی وجہ سے دو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ مگر مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ دو مختلف وجود ظاہر ہوں گے۔ نبی کریم نے تو اس خیال سے کہ مسلمان مہدی اور مسیح کو الگ الگ نہ سمجھنے لگ جائیں۔ یہاں تک احتیاط فرمائی کہ فرمایا لا المھدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ و حاکم) یعنی عیسے کے سوا کوئی مہدی موجود نہیں۔ مگر افسوس مسلمان باوجود اس کے ٹھوکر کھانے سے نہ بچے۔ ھذا۔

دیکھیں کہ ان غلط اور فاسد عقاید سے اسلام کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ صرف ہندوستان میں پچھلے چند سالوں میں لاکھوں کلمہ گو مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کا گناہ مولویوں کی گردن پر ہے۔ عیسائی مشنری بھولی بھالی صورت بنا کر مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں۔ اور بڑی نرمی سے کہتے ہیں۔ کہ دیکھو تمہارے نبی تو مر گئے اور مدینہ میں زیر خاک مدفون ہیں لیکن مسیح دو ہزار سال سے اب تک نہ صرف زندہ بلکہ آسمان پر خدا کے پاس بیٹھا ہے بتاؤ کون افضل ہوا۔ مسلمانوں کے لئے مسیح کی وفات کا کلمہ تو منہ پر لانا کفر ہوا ناچار دبی زبان سے یہی قبول کر لیتے ہیں کہ مسیح ہی افضل ہے۔ اس کے بعد پادری صاحب کہتے ہیں۔ کہ دیکھو آخری زمانہ میں جب امت محمدیہ میں فساد و گمراہی پھیلے گی۔ تو اسکی اصلاح کیلئے خدا مسیح کو آسمان پر سے بھیجے گا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا فساد ہوگا۔ کہ اس کی اصلاح نبی اسلام کی طاقت سے بالا ہوگی۔ ورنہ خدا نے اگر کسی کو زندہ رکھ کر ہی آخری زمانہ میں امت محمدیہ کی اصلاح کروانی تھی تو خود محمد صاحب کو زندہ رکھا جاتا۔ مگر اس اہم کام کیلئے بجائے نبی اسلام کے مسیح کو زندہ رکھا گیا ہے۔

یہاں تک تو مسیح کی افضلیت منوائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اگلا قدم اٹھایا جاتا ہے۔ پادری صاحب نہایت سادگی سے بولتے ہیں کہ محمد صاحب سے جب ان کے مخالفوں نے آسمان پر جانے کا معجزہ طلب کیا۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا میں تو ایک انسان ہوں۔ اور انسان کا آسمان پر جانا ممتنع ہے مگر دیکھو مسیح زندہ آسمان پر جا پہنچا۔ ان باتوں کا جواب کون دے۔ عوام مولویوں کے پاس جائیں تو ان کے ایمانوں کی بودی چٹانوں پر پہلے سے ہی ان باتوں نے

زلزلہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ ادھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹال دیتے ہیں۔ یہ بیچارے جب مولویوں کیطرف سے تسلی بخش جواب نہیں پاتے۔ تو ناچار گرجا کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ آہ افسوس! وہ مذہب جو کسی زمانہ میں یدخلون فی دین اللہ افواجا کا مصداق تھا۔ آج یخرجون من دین اللہ افواجا کا تماشہ گاہ بن رہا ہے کیا کوئی مسلمان کہلانے والا انسان ہے جس کے دل میں یہ باتیں درد پیدا کریں آہ بہت تھوڑے ہیں۔ جو صحت نیت کے ساتھ ان مسائل پر غور کرتے ہیں۔ ورنہ معاملہ تو بالکل صاف ہے جس کی آمد ثانی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ خود وہ پکار پکار کر اپنی دوسری آمد کے معنوں کو بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ ایلیا جکی نسبت خیال تھا کہ مسیح سے پہلے آسمان سے اُتریگا۔ اُسکی آمد ثانی کو مسیح نے اس کے کسی مثیل کی آمد قرار دیا۔ (متی باب ۱۱ آیت ۱۲ و ۱۴) تعجب ہے باوجود ایک کھلی نظیر سامنے ہونیکے پھر مسلمان اس مسئلہ میں ٹھوکر کھا رہے ہیں جس طرح مسیح کی نسبت کہا گیا کہ وہ آخری دنوں میں نازل ہوگا۔ اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایلیا کی نسبت کہا گیا تھا۔ کہ وہ مسیح سے پہلے نازل ہوگا۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ایلیا کے وعدہ کو مثیل کے ذریعہ پورا شدہ مان لیا جاتا لیکن مسیح کو بذاتہٖ خود اُتارا جاتا ہے۔ افسوس جس جگہ یہود نے ٹھوکر کھائی اسی جگہ مسلمانوں نے ٹھوکر کھائی۔ مگر یہود ایسی گرفت کے نیچے نہیں ہیں۔ جتنے مسلمان ہیں۔ کیونکہ یہود کے لئے کوئی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کیلئے تو اسی قسم کے وعدہ کی نظیر موجود ہے۔ اور وہ دیکھ چکے ہیں کہ کسی گذشتہ نبی کے آنے سے اس کے مثیل کا آنا مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ خود اسی کا۔ آہ۔ سچ فرمایا تھا نبی کریم نے کہ میری امت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے یعنی جس طرح یہود نے ایک گذشتہ نبی کی آمد کے وعدہ

تو خود اسی نبی کی آمد سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح میری اُمت کے لوگ کریں گے لیکن مسلمانوں نے اس تشبیہ سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ اور صرف اس وجہ سے آنے والے کا انکار کر دیا۔ کہ مسیح ناصری خود بنفس نفیس آنا تھا۔ حالانکہ مسیح ناصری کے آنے میں نہ صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی سخت ہتک ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ بلکہ خود مسیح کی ہتک ہے۔ کیونکہ مسیح ناصری خواہ نبی کریمؐ سے درجہ میں کتنا ہی چھوٹا ہو۔ پھر بھی وہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا۔ جس نے نبوّت کا مقام نبی کریمؐ کی اتباع کی وجہ سے نہیں پایا۔ بلکہ براہِ راست اسے خدا کی طرف سے یہ انعام ملا۔ اب اس کو دوبارہ اُتارنے کے یہ معنی ہیں کہ اسے نعوذ باللہ نبوّت کے مقام سے معزول کر دیا جاوے۔ اور صرف ایک امتی کی حیثیت دی جاوے۔ کیونکہ اگر وہ دوبارہ نازل ہو کر بھی نبی ہی رہیگا۔ تو یہ ختم نبوّت کے منافی ہے۔ نبی کریمؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ خواہ نیا ہو خواہ پرانا۔ جس نے نبوّت کا مقام براہِ راست بغیر کامل اتباع نبی کریمؐ کے پایا ہو۔ آپؐ کے بعد صرف ایسی نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ جسے ظلّی نبوّت کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی ایسی نبوت جو نبی کریمؐ کی نبوت کا ظل ہے۔ نہ کہ مستقل۔ پس اس صورت میں جبکہ آیت خاتم النبیّین نبوت مستقلہ کے دروازے کو بڑے زور سے بند کر رہی ہے تو مسیح ناصری کا اترنا صرف ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اُسے نعوذ باللہ نبوّت کے مقام سے ہٹا کر صرف ایک امتی کی حیثیت دی جاوے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی صریح سنت کے خلاف ہے۔ جو اس نے ان الفاظ میں بیان کی۔ ذالک بان اللہ لم یک مغیراً نعمۃ انعمھا علےٰ قومٍ حتّٰی یغیروا ما بانفسھم (انفال) یعنے اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی انعام ہرگز نہیں چھینتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ

بدل ہے۔ تو اب صریح اور واضح آیت کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح مان لیا جاوے کہ مسیح ناصری بذات خود آخری دنوں میں نازل ہوگا۔ کیونکہ اس کے نازل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے نعوذ باللہ خواہ مخواہ نبوت کا مقام چھین لیا جاویگا۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسیح ناصری کے متعلق فرماتا ہے:۔

رسولاً الیٰ بنی اسرائیل یعنی مسیح رسول تھا بنی اسرائیل کی طرف اب اگر وہی مسیح نازل ہو تو اس کی بعثت بجائے صرف بنی اسرائیل کے ساری دنیا کیلئے ماننی پڑیے گی۔ مگر یہ مندرجہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے۔ پس اب جبکہ قرآنی آیات کے منسوخ اور باطل ثابت کرنے کی خواہش اور جرأت ہو۔ وہ بیشک مسیح ناصری کا منتظر رہے۔ ہم تو اس خدا سے ڈرتے ہیں۔ جس نے یہود پر بوجہ کلام الٰہی میں دست اندازی کرنے کے لعنت کی۔ خدا شاہد ہے۔ کہ ہمارا دل کس طرح اس بات کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا ہے۔ کہ مسلمان ایک ایسے عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔ جو خلاف سنت ہونے کے علاوہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسیح ناصری دونوں کی سخت ہتک کا موجب ہے۔ مگر وقت آتا ہے۔ جب مسلمان اپنی غلطی کو محسوس کریں گے۔ اور مسیح کی آمد کے لئے بجائے آسمان کی طرف دیکھنے کے اپنے پیچھے نظر ڈالیں گے۔ اس وقت خدا کے سچے مسیح کا قول پورا ہوگا۔ کہ

امروز قوم من نشناسد مقام من

روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:۔

اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا۔ اور حجت اور برہان کے رو سے

سب پر ان کو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں۔ بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی
مذہب ہوگا۔ جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ
میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم
کرنے کا فکر رکھتا ہے۔ نامراد رکھیگا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا۔ یہاں تک کہ
قیامت آجائیگی۔ اگر اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی
نبی نہیں جس سے ٹھٹھا نہیں کیا گیا۔ پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ

پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے۔ کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر
ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے روبرو آسمان سے اُترے اور فرشتے بھی اُس کے
ساتھ ہوں۔ اُس سے کون ٹھٹھا کرے گا۔ پس اس دلیل سے بھی عقلمند
سمجھ سکتا ہے۔ کہ مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد
رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود
ہیں وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی اُن میں سے عیسےٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے
نہیں دیکھیگا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی۔ اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان
سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالیگا۔ کہ
زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا۔ اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا
بیٹا عیسےٰ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے
بیزار ہو جائیں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی
کہ عیسےٰ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید

اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے۔ اور دنیا
ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا
سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھیگا۔ اور پھر
اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

خاکسار

مرزا بشیر احمد از قادیان

۱۵- جون ۱۹۱۷ء

منظور عام پریس لاہور میں طبع ہوا باہتمام ایم محمد حسین پرنٹر